مقالات

تقریبِ تعارف فتاوٰی رضویہ (جدید ایڈیشن)

رضا فاؤنڈیشن لاہور
جامعہ نظامیہ رضویہ
اندرون لوہاری دروازہ

رضا فاؤنڈیشن لاہور کے تحت فتاویٰ رضویہ (کتاب الطہارت) کا جدید ایڈیشن چار جلدوں میں شائع ہونے پر مورخہ ۲۷ اکتوبر ۱۹۹۳ء کو آواری ہوٹل لاہور میں ایک پُروقار تعارفی تقریب کا اہتمام کیا گیا، جس میں ملک کے نامور اہلِ علم و فضل حضرات نے شمولیت فرمائی جس میں استقبالیہ کے علاوہ سات محققین نے مقالات پڑھے جن میں سے پروفیسر ڈاکٹر محمد صادق ضیا، صدر شعبہ ریاضی گورنمنٹ کالج فیصل آباد کا مقالہ "فتاویٰ رضویہ میں علم ریاضی و ہیأت کا استعمال" مبسوط ہونے کی بنا پر الگ شائع کیا جا رہا ہے۔ اس تقریب میں اسٹیج سیکرٹری کے فرائض علامہ محمد صدیق ہزاروی نے انجام دیے۔ (ادارہ)

فہرست

محمد عبدالحکیم شرف قادری نقشبندی

استقبالیہ

نحمدہٗ و نصلی و نسلم علیٰ رسولہ الکریم و علیٰ اٰلہٖ و اصحابہٖ اجمعین

جنابِ صدر گرامی قدر! مہمانانِ گرامی و معزز سامعین و حاضرین!

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ!

یہ فقیر آپ کو رضا فاؤنڈیشن، لاہور کے اراکین کی طرف سے فتاویٰ رضویہ کی جدید اشاعت کی تعارفی تقریب میں تشریف آوری پر خوش آمدید کہتا ہے۔

اَھْلاً وَّ سَھْلاً وَّ مَرْحَبًا

حضراتِ گرامی! یہ حقیقتِ واقعیہ آپ سے مخفی نہیں کہ سرزمینِ پاک و ہند وہ مردم خیز خطہ ہے جہاں سے ہر علم و فن کے عظیم رجال پیدا ہوئے جن پر ہم بجا طور پر فخر کر سکتے ہیں۔ یہی وہ خطہ ہے جہاں سے کشورِ علم و عرفان کے وہ تاجدار پیدا ہوئے جن کے فیضان سے پوری دنیا نے اکتسابِ نور کیا۔

ایسی ہی نادرِ روزگار شخصیت، امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں جن کی علمی، تحقیقی اور فقہی یادگار "فتاویٰ رضویہ" کی جدید اشاعت کے تعارف کے سلسلے

میں ہم اس جگہ جمع ہوئے ہیں۔

پاک و ہند کے علمی اور دینی سرمائے میں فتاویٰ عالمگیری کے بعد فتاویٰ رضویہ کی بارہ جلدیں گرانقدر اضافہ ہیں۔ فتاویٰ عالمگیری حکومتِ وقت کی سرپرستی میں تیار ہوا جبکہ فتاویٰ رضویہ کی تیاری میں کسی حکومت کی سرپرستی شامل نہ تھی۔ اوّل الذکر فتاویٰ متبحر علماء کی ایک جماعت کی محنت کا ثمر تھا جبکہ مؤخر الذکر فتاویٰ فردِ واحد کی کاوش کا نتیجہ۔ نیز عالمگیری صرف مسائل پر مشتمل ہے اور فتاویٰ رضویہ کے اکثر و بیشتر فتاویٰ دلائل و براہین کا انبار لئے ہوئے ہیں۔ علاوہ ازیں اس میں قرآن و حدیث اور قواعدِ فقہیہ کی روشنی میں جدید مسائل کا حل پیش کیا گیا ہے۔

ان تمام خوبیوں کے باوجود ضرورت تھی کہ فتاویٰ رضویہ کو دورِ جدید کے تقاضوں کے مطابق مرتب کر کے شائع کیا جاتا، تاکہ اردو خواں طبقہ بھی اس سے مستفید ہو سکے۔ سابقہ ایڈیشنوں میں ایک تو سائز بڑا تھا، کسی جلد کا حجم زیادہ کسی کا کم، دوسری بات یہ تھی کہ حوالے اور علمی تحقیقات عربی میں تھیں جن کے ساتھ ترجمہ نہیں تھا، نیز پیرا بندی کا فقدان تھا۔ ان امور کی بنا پر قاری الجھن کا شکار ہو جاتا تھا۔

ایک عرصہ کی سوچ بچار کے بعد حضرت مولانا مفتی محمد عبد القیوم قادری ہزاروی مدظلہ ناظمِ اعلیٰ جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور نے مارچ ۱۹۸۸ء میں فیصلہ کیا کہ فتاویٰ رضویہ کی از سرِ نو اشاعت کا اہتمام کیا جائے اور باوجودیکہ ان کی نگرانی میں کئی شعبے کام کر رہے ہیں، انھوں نے اللہ تعالیٰ کا نام لے کر "رضا فاؤنڈیشن" کی داغ بیل ڈال دی، اور آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ فتاویٰ کی چار جلدیں چھپ کر منظرِ عام پر آچکی ہیں، پانچویں جلد پریس میں ہے اور چھٹی جلد کی کتابت ہو رہی ہے۔ اب یہ برادرانِ اہلِ سنّت اور علمی تحقیقات کے قدردانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان علمی اور گرانمایہ جواہر کو ہاتھوں ہاتھ لیں۔ یاد رہے کہ یہ چار جلدیں کتاب الطہارۃ کے مسائل پر

مشتمل ہیں، پانچویں جلد کتاب الصلوٰۃ سے شروع ہو رہی ہے، اور امید ہے کہ فتاویٰ بیس پچیس جلدوں میں مکمل ہوگا ان شاء اللہ العزیز۔ بلاشبہ مفتی صاحب کا یہ کارنامہ رہتی دنیا تک یاد رکھا جائے گا اور انھیں اس کا اجر ملتا رہے گا۔

چلتے چلتے یہ بھی عرض کردوں کہ فتاویٰ کی نئی اشاعت کے سلسلے میں ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ ازہری مدظلہ، اور پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مدظلہ العالی نے ہماری سرپرستی فرمائی، مفید مشوروں سے نوازا اور حوصلہ افزائی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا، ناسازیٔ طبیعت کے باوجود جناب پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب اس اجلاس میں تشریف فرما ہیں۔ پیر صاحب شدید علالت کی بنا پر تشریف نہیں لا سکے، ان کی نمائندگی حضرت علامہ صاحبزادہ امین الحسنات مدیرِ اعلیٰ ماہنامہ "ضیائے حرم" کر رہے ہیں۔

حوالوں کی تخریج کا کام مولانا اظہار اللہ ہزاروی، مولانا محمد عمر ہزاروی، مولانا محمد ظفر اللہ نیازی انجام دیتے رہے، ان دنوں مولانا نذیر احمد سعیدی اور مولانا سردار احمد حسن سعیدی دیدہ ریزی اور دماغ سوزی کے ساتھ یہ مرحلہ طے کر رہے ہیں، عربی عبارات کا ترجمہ مولانا مفتی سید شجاعت علی قادری رحمہ اللہ تعالیٰ، مولانا محمد احمد مصباحی جامعہ اشرفیہ مبارکپور (انڈیا)، علامہ قاضی عبدالدائم دائم (ہری پور) مولانا مفتی محمد خاں قادری، مولانا محمد صدیق ہزاروی اور راقم الحروف نے انجام دیا۔ مولانا محمد عبدالستار سعیدی نے کتابت کی نگرانی کی اور فہرست تیار کی، محمد شریف گل خوشنویس نے بڑی دل لگی اور محنت سے کتابت کی، مولانا محمد منشا تابش قصوری اور مولانا محمد صدیق ہزاروی مفید مشورے دیتے رہے۔ اس طرح اتنے علماء کی اجتماعی کوششوں سے چار جلدیں منظرِ عام پر آئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیبِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طفیل اس کارِ عظیم کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی توفیق

عطا فرمائے۔

موجودہ ایڈیشن میں آپ چند خصوصیات ملاحظہ فرمائیں گے:

۱۔ حواشی میں مآخذ کی جلد، صفحہ اور ایڈیشن کی نشان دہی کر دی گئی ہے۔
۲۔ عربی عبارات کا ایک کالم میں اردو ترجمہ کر دیا گیا ہے۔
۳۔ پیرا بندی کا اہتمام کیا گیا ہے۔
۴۔ اس امر کا اہتمام کیا گیا ہے کہ سائز درمیانہ ہو اور تمام جلدیں حجم میں تقریباً یکساں ہوں۔
۵۔ کتابت و طباعت معیاری، کاغذ بہترین اور جلد عمدہ ہو۔

اس اجلاس میں جو دانشور اور اصحابِ علم مقالات پیش کریں گے وہ علمی دنیا میں محتاجِ تعارف نہیں ہیں، اس لئے ان کا تعارف کرانے کی بجائے صرف ان کے مقالات کے عنوانات پیش کرنے پر اکتفاء کروں گا،

۱۔ قاضی عبدالدائم دائم (ہری پور)
فتاوی رضویہ کا خطبہ — علم و فن کا شہ پارہ — فکر و فن کا مہ پارہ
۲۔ پروفیسر ڈاکٹر ظہور احمد اظہر، لاہور
فتاوی رضویہ کی علمی قدر و قیمت
۳۔ میاں نذیر اختر جسٹس ہائی کورٹ، لاہور
امام احمد رضا بریلوی کے علمی اور تحقیقی کارناموں کو خراجِ عقیدت (زبانی خطاب)
۴۔ ڈاکٹر رشید احمد جالندھری، لاہور
ترجمۂ قرآن فقہ و کلام کی روشنی میں
۵۔ پروفیسر ثناء اللہ بھٹی
ریاضیاتی علوم میں امام احمد رضا بریلوی کے کارہائے نمایاں

۶۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد صادق ضیا، فیصل آباد
فتاوی رضویہ میں علم ریاضی اور ہیأۃ کا استعمال
۷۔ صاحبزادہ سید خورشید احمد گیلانی، لاہور
اعلیحضرت فاضل بریلوی — اب ڈھونڈ انہیں چراغِ رخِ زیبا لے کر
۸۔ پروفیسر محمد اسحٰق بھٹی، لاہور
علمِ فقہ اور مولانا احمد رضا خاں بریلوی

اس تقریب کی صدارت مجاہدِ ملت حضرت مولانا محمد عبدالستار خاں نیازی فرما رہے ہیں اور تحقیقاتِ رضویہ کے متخصص پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد اور ماہنامہ ضیائے حرم کے مدیر جناب صاحبزادہ امین الحسنات مہمانِ خصوصی ہیں۔ میں اراکینِ رضا فاؤنڈیشن اور حضرت مولانا مفتی محمد عبدالقیوم قادری ہزاروی کی طرف سے تمام حاضرین کا دل کی گہرائیوں سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے ہماری درخواست پر اس اجلاس میں شرکت فرمائی۔

آخر میں یہ بھی عرض کردوں کہ یہ تمام کام اللہ تعالیٰ جل مجدہ العظیم کے خاص فضل و کرم اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نظرِ عنایت سے اس مرحلے تک پہنچا ہے اور ان شاء العزیز پایۂ تکمیل تک بھی پہنچے گا۔ اور اس میں بھی شک نہیں کہ یہ امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز کی بہت بڑی کرامت ہے۔

والسلام

محمد عبدالحکیم شرف قادری نقشبندی

۲۷۔ اکتوبر ۱۹۹۳ء

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ کی تحقیقات کو تخریج و ترجمہ
اور جدید انداز پر ایڈٹ کر کے شائع کرنے کا عظیم منصوبہ

رضا فاؤنڈیشن

اِس عظیم منصوبے کیلئے
عوام اور علماء و مشائخ سے عطیات، چندہ اور قرضِ حسنہ
کی
اپیل

زیرِ نگرانی
جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور (۸) پاکستان (۱۲۳۵۰)

پروفیسر ڈاکٹر ظہور احمد اظہر
صدر شعبہ عربی، پنجاب یونیورسٹی

فتاوٰی رضویہ کی علمی قدر و قیمت

اسلام میں فتوٰی نویسی ایک دینی فریضہ بھی ہے اور ایک مُہتم بالشّان فن بھی، لیکن یہ فریضہ جتنا نازک اور اہم ہے یہ فن اُسی قدر مشکل اور پیچیدہ ہے۔ کتاب اللّٰہ میں افتاء کے منصب کی نسبت اللّٰہ رب العزت سے بیان ہوئی ہے (قل اللّٰہ یفتیکم)۔ یہ بات بھی اہلِ علم سے پوشیدہ نہیں کہ فتوٰی، اِفتا۔ اور مفتی کے الفاظ زبانِ نبوت پر بھی جاری ہوئے، اسی طرح عہدِ نبوی کے ساتھ ساتھ خلفائے راشدین کے عہدِ مبارک میں عطائے فتوٰی یا افتاء کا منصب بہت اہم اور اونچا منصب تھا۔ تاریخِ اسلام کے مختلف ادوار میں فتوٰی نویسی یا افتاء اور مفتی کا منصب ہمیشہ نہایت اہم اور بلند متصوّر ہوتا رہا ہے۔ لیکن یہ سب باتیں ایک اہم موضوع اور دلچسپ مطالعہ سہی مگر ان سب باتوں کی تفصیل کا یہ موقع نہیں، تاہم اس بات کی طرف ایک مختصر اشارہ کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہوگا کہ گزشتہ بارہ تیرہ صدیوں کے دوران میں برعظیم پاکستان و ہندوستان کے علمائے کرام نے فتوٰی نویسی کے میدان میں جو عظیم خدمات انجام دی ہیں اور منصبِ اِفتاء نے ملّتِ اسلامیہ کو جو رہنمائی مہیا کی ہے وہ جہاں قابلِ قدر ہے وہاں باعثِ فخر بھی ہے۔

برعظیم پاک وہندان اسلامی خطّوں میں شامل رہا ہے جہاں امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللّٰہ تعالیٰ کی فقہ کا دور دورہ رہا، یہاں کے علمائے حنفیہ

نے فقہ اسلامی کی عظیم الشان خدمت انجام دی ہے۔ سیرتِ نبوی کی طرح علومِ شریعت
بھی اس خطے کے اہلِ علم کے نزدیک ایک مہتم بالشان اور نہایت مرغوب موضوع رہا ہے
یہاں کے علماء نے علومِ فقہیہ یعنی فقہ، اصولِ فقہ اور فتاویٰ نویسی کے علاوہ شرعی علوم
کے دیگر بے شمار پہلوؤں کو اپنے مطالعہ و توجہ کا مرکز بنائے رکھا۔ عربی، فارسی، اردو
اور دیگر علاقائی زبانوں میں شرعی علوم کا اتنا وسیع ذخیرہ تیار کیا ہے جو ملت کا نہایت
قیمتی سرمایہ ہے اور اس کا احاطہ کرنا کسی مؤرخ کے لئے آسان نہیں ہوگا۔ برعظیم
پاک وہند کے اکابر احناف کے اس عظیم القدر علمی وفقہی سرمایۂ فخر میں امامِ اہلِ سنت
حضرت مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے فتاویٰ العطایا النبویۃ
فی الفتاوی الرضویۃ جو فتاوی رضویہ کے نام سے مشہور و متداول ہیں بلاشبہ
ایک منفرد اور قیمتی سرمایہ ہے۔

برعظیم جنوبی ایشیا یا پاک وہند کے علمائے اسلام نے فقہ اسلامی کے
فتاویٰ کا جو عظیم القدر ذخیرہ عربی زبان میں مرتب کیا ہے اس کی فہرست بہت طویل
ہے اور اس میں تعدد و تنوع بھی ہے اور اس میں حسن و خوبی کے عناصر بھی موجود
ہیں۔ اسی طرح اسلامی ہند کی سرکاری زبان فارسی ہونے کے باعث اس زبان
میں بھی لاتعداد چھوٹے بڑے فتاویٰ مرتب ہوئے جن میں سے بہت سے ابھی تک
زیورِ طباعت سے آراستہ بھی نہیں ہوسکے۔ یہی حال ان فتاویٰ کا بھی ہے جو اردو
عربی یا اردو فارسی کا امتزاج پیش کرتے ہیں۔ یہ ہماری بہت بڑی بدقسمتی ہے اور
افسوسناک کوتاہی کہ ہم اپنے بزرگوں کی میراث کو بھی نہیں سنبھال سکے۔ سب سے زیادہ
افسوس اہلِ دولت و ثروت مسلمانوں پر ہے جو اپنی دولت کا حقیر سا حصہ بھی
کارِ ثواب سمجھ کر ہی وقف کرنے سے قاصر ہیں مگر اس سے کہیں زیادہ افسوس ان
اہلِ علم پر ہے جو ابتدائی قدم اٹھانے یا عملی تحریک کرنے سے بھی عاجز ہیں۔ علم کو سنبھالنے

اور علمی میراث کو محفوظ کرنے کا اصل کام آخر مسلمان علماء کا ہے۔ یہ حضرات نہ صرف
یہ کہ اس علمی ورثے کی نوک پلک درست کرکے مسلمان اہلِ دولت و ثروت کو سرمایہ
خرچ کرنے کی تحریک بھی کرسکتے ہیں بلکہ وہ ان علمی کاوشوں پر اضافے اور ترقی کا
کام بھی انجام دے سکتے ہیں۔ اس کی روشن مثال ہمارے دوست و کرم فرما
حضرت مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی کی ہے۔ آپ بعض احباب کے مشورے
اور تعاون سے لاہور میں "رضا فاؤنڈیشن" جیسا عظیم ادارہ قائم کرنے کی سعادت
حاصل کرچکے ہیں جو "فتاویٰ رضویہ" کی طباعت و اشاعت کا فریضہ انجام دے رہا ہے۔
میں صمیمِ قلب سے حضرت مولانا کو ہدیۂ تبریک پیش کرتے ہوئے ان کی کامیابی کے لئے
دعاگو ہوں مجھے یقین ہے کہ وہ اپنے اس نیک مقصد میں ضرور کامیاب ہوں گے،
ان شاء اللہ۔

"فتاویٰ رضویہ" کی جو مجلدات رضا فاؤنڈیشن کے زیرِ اہتمام شائع ہوئیں اور
میری نظر سے گزری ہیں ان میں صحت و حسنِ طباعت کے اہتمام کے ساتھ ساتھ
مولانا فاضل بریلوی کے فقہی افکار و معارف کو آسان سے آسان تر بنانے کی کوشش
بھی کی گئی ہے۔ یہ کوشش یقیناً سعیِ مشکور کے ضمن میں آتی ہے اور ہم سب کی طرف
سے تحسین و تبریک کے ساتھ ساتھ حوصلہ افزائی اور قدردانی کی بھی مستحق ہے۔ یوں
تو اس کارِ خیر میں حضرت مولانا ہزاروی سے تعاون کرنے والوں اور ذمہ داری کا بوجھ
اٹھانے والوں میں بہت سے نیک نام ہیں مگر ان میں سے قیامِ "رضا فاؤنڈیشن" کے
محرک مولانا احمد نثار بیگ، علامہ سید شجاعت علی قادری مرحوم و مغفور، حضرت مولانا
عبدالحکیم شرف قادری، مولانا نذیر احمد سعیدی اور مولانا عبدالستار سعیدی کے نام
خصوصی تذکرے کے مستحق ہیں۔ جہد و تعاون کا یہ سلسلہ جاری رہا تو امام احمد رضا بریلوی
کا یہ عظیم الشان فقہی انسائیکلوپیڈیا بہت جلد مکمل طور پر منظرِ عام پر آجائے گا۔

میری رائے میں امامِ اہلِ سنّت کی خدمتِ اقدسِ روحانی میں اس سے بہتر اور کوئی خراجِ عقیدت پیش نہیں کیا جاسکتا کہ ان کی یہ جلیل القدر اور عظیم الفائدہ علمی کاوش افادہ عامہ وخاصہ کے لئے پیش کی جاسکے۔

فتاویٰ رضویہ کی مطبوعہ مجلدات پر ایک اجمالی نظر ڈالنے سے جو مجموعی تاثر ملتا ہے وُہ یہ ہے کہ فاضل بریلوی دیگر مفتیان برِّ عظیم پاک و ہند میں ایک نہایت بلند اور منفرد مقام رکھتے ہیں اور ان کے یہ فتاویٰ اپنی عظیم ترافادیت کے ساتھ ساتھ ایک ایسی انفرادیت بھی رکھتے ہیں جو تنوّع، ایجاد، جامعیت اور باریک بینی کے علاوہ ایک مصنّف کے کمالِ فن، وُسعتِ نظر، عُمقِ بصیرت، ظرافتِ طبع اور جُزئیات میں کُلیات، اور کُلیات میں جُزئیات کو ایک خاص رنگ میں پیش کرنے کی فقیہانہ مہارت سے قاری کی قوّتِ فیصلہ اور قلب و روح کو متاثر کرتی نظر آتی ہے۔ یہ وُہ انفرادیّت و امتیاز ہے جو برِّ عظیم پاک و ہند کے مفتیانِ عظام کے حصّے میں بہت کم آیا ہے مگر فتاویٰ رضویہ کے مصنّف کے ہاں کثرت و مقدارِ وافر کے ساتھ میسر ہے۔

حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمہ اللہ کے ہاں ایک انفرادیت یہ ہے کہ انہوں نے اپنے فتاویٰ کے مختلف ابوابِ فقہیہ میں سے بعض موضوعات منتخب فرمائے ہیں اور ان میں سے ہر موضوع پر ایک الگ اور مستقل رسالہ تصنیف کیا ہے۔ یہ رسائل جہاں بلند درجہ تحقیق و تدقیق کے آئینہ دار ہیں وہاں تمام متداول فقہی مصادر و مآخذ کا نچوڑ بھی پیش کرتے ہیں۔ مصنف کی یہ کوشش لائقِ تحسین ہے کہ وہ ان مختلف و متنوع مصادر کی مختصر ترین عبارات بلکہ جملوں کو منتخب کرتے ہیں اور انھیں کمال مہارت سے یک جا کر کے یُوں جوڑ دیتے ہیں کہ وہ ایک مسلسل عبارت بن جاتی ہے۔ یُوں لگتا ہے جیسے یہ

عبارات کے ٹکڑے یا جُملے مختلف مصنفین نے اسی غرض سے تخلیق کئے تھے کہ وہ ان فقہی موضوعات پر مشتمل رسائل کی عبارات کی زینت بنیں۔ یہ کام جہاں وسعتِ نظر اور کمال ادراک و انتخاب کا مقتضی ہے وہاں قوّتِ حافظہ اور زبان پر کامل عبور کا بھی تقاضا کرتا ہے۔ ان مختصر مگر جامع رسائل کا ایک انفرادی امتیاز یہ بھی ہے کہ فاضل بریلوی نے ان کے تسمیہ میں بڑے تفنّنِ طبع اور فقیہانہ بصیرت سے کام لیا ہے۔ کتابوں کے تسمیہ میں نزاکت و ظرافت کی یہ روش برِّ عظیم کے علمائے اسلام کا طُرّہ امتیاز رہا ہے اور مولانا احمد رضا بریلوی اس میدان میں امامت و مہارت کا شرف رکھتے ہیں۔

فتاویٰ رضویہ کی ایک انفرادیت یہ بھی ہے کہ ان کا فاضل مصنّف کوئی عام عالمِ دین یا محض مفتی و فقیہ نہیں بلکہ ایک کثیر الجوانب عبقری یعنی ورسٹائل جینیئس (VERSTILE GENIOUS) ہے۔ اس لئے نہ تو ان کی نظر محض فقہی پہلو پر محدود و مرکوز رہتی ہے اور نہ ان کی بات میں کسی پہلو کی تشنگی یا اسے نظر انداز کرنے کا احساس ہوتا ہے، بلکہ ان کے اندازِ بیان سے منقولات اور معقولات کے ہر علم و فن کے تقاضوں کی تسکین ہوتی ہے، فاضل بریلوی ارشاد نبوی العلم علمان علم الادیان و علم الابدان کی حقیقت سے نہ صرف آگاہ تھے بلکہ اس پر عمل پیرا بھی تھے، وہ علم ادیان یعنی شرعی علوم اور علم ابدان یعنی سائنسی علوم پر یکساں عبور کے قائل تھے، شریعت کے علوم قرآن و حدیث سے شروع ہُوتے اور عربی زبان و ادب کی جزئیات سے ہوتے ہُوئے فقہ و کلام اور جدل و مناظرہ تک پہنچتے ہیں۔ اسی طرح سائنسی علوم کا دائرہ بھی وسعت پذیر اور لامحدود ہے اس لئے شریعت ان مفید و نافع علوم سے اعراض نہیں سکھاتی بلکہ ان میں کمال پیدا کرنے کی دعوت و

تلقین اس شریعت کا امتیاز ہے۔

وقت کی رفتارِ تغیّر بڑی تیز ہے جو اس رفتارِ تغیّر کا ساتھ نہ دے سکے اسے وقت کی تلوار کاٹ کر رکھ دیتی ہے۔ جو شریعت یا قانون وقت کی اس رفتارِ تغیّر کا مقابلہ نہ کر سکے اس کا نابود ہونا یقینی ہے لیکن اسلامی شریعت تو زمان و مکان کی قید سے آزاد و ماوراء ہے اس لئے یہ شریعت ہر زمان و ہر مکان کے لئے ہے۔ اسی حوالے سے اسلامی شریعت کے ماہر فقیہ کے لئے بھی ضروری ہے کہ وُہ اپنی فکری صلاحیتوں سے وقت کی رفتارِ تغیّر کا صرف ساتھ ہی نہیں بلکہ اس کا مقابلہ بھی کر سکے۔ یہ فکری صلاحیتیں دو چیزوں کی محتاج ہوتی ہیں، ان میں سے ایک خداداد عبقریت اور دوسرے علم ادیان کے ساتھ علم ابدان یعنی سائنسی علوم کا ماہر ہونا ہے۔ امام احمد رضا بریلوی میں یہ دونوں صلاحیتیں بتمام و کمال موجود ہیں بلکہ ہر زمان و ہر مکان کے فقیہ ہیں۔ جس طرح اسلامی شریعت زمان و مکان کی قید سے آزاد ہے اسی طرح اس کا ماہر فقیہ جو خداداد عبقریت اور سائنسی علوم خصوصاً طب و ریاضت اور فلسفہ و ہیئت کے بھی امام ہیں وہ بھی زمان و مکان کی قید سے آزاد ہیں۔ وُہ جدید زندگی کے مسائل کو اسلامی فقہ کی روشنی میں اس طرح حل کرتے ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ "فتاوٰی رضویہ" اس دعوٰی پر شاہد عادل ہیں۔ تمام فصول اور ابواب میں وہ فقہی مسائل کو عصر حاضر کی زبان میں حل کرتے ہیں۔ ان کے تمام فتاوٰی عقلی و نقلی استدلال پر مبنی ہوتے ہیں اور یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ شریعت نہ صرف یہ کہ ______ عقل کے خلاف نہیں بلکہ عقل کے لئے نشوونما کا سامان بھی کرتی ہے۔ اظہار و بیان کا وسیلہ زبان ہوتی ہے۔ فقیہ اور مفتی کے لئے اظہار و بیان کی قدرت ایک لازمی اور ضروری صفت ہے، ورنہ مسائل و مشاغل کی تفہیم آسان نہ ہو گی۔ حضرت

احمد رضا خان بریلوی رحمہ اللہ اس میدان کے مردِ میداں ہی نہیں شہسوار بھی ہیں۔ عربی، فارسی اور اردو پر انھیں جو کامل عبور تھا اس کا ایک ثبوت تو ان تینوں زبانوں میں ان کے شاعرانہ کمالات ہیں جو نعت و مدحِ رسول کے لئے وقف ہیں مگر "فتاوٰی رضویہ" میں بھی وہ اظہار و بیان کے وسائل یعنی زبان کے ادبی اسلوب سے قاری کے ذہن کی چٹکیاں لیتے ہوئے نظر آتے ہیں الفاظ کو نئے معنی پہنانا اور مرکبات و کلام کو تضمین کے طور پر یوں استعمال کرنا کہ وُہ انگشتری میں نگینہ جڑ دینے کا منظر پیش کرتے ہوئے نظر آئیں، یہ صرف قادر الکلام شاعر اور باکمال ادیب ہی کر سکتا ہے۔

اختصار سے کام لیتے ہوئے یہاں صرف "فتاوٰی رضویہ" کی جلد اوّل کے دو تمہیدی عنوانات یعنی "خطبۃ الکتاب" اور "صفۃ الکتاب" کے علاوہ مستقل الفتوٰی موضوع پر لکھے جانیوالے پہلے رسالے "اَجْلَی الْاِعْلَام انّ الفتوی مطلقا علی قول الامام" کے خطبے کی طرف اشارہ کافی ہو گا۔ خطبہ الکتاب میں فقہ حنفی کی اُمہات الکتب کے اسماء اور فنّی مصطلحات کو بطور تلمیح و براعتِ استہلال، استعمال کر کے جو سماں باندھا ہے وُہ کچھ اُنہی کا کمال ہے۔ الفاظ پُرانے ہیں مگر بطورِ تلمیح استعمال ہو کر نئے معانی کا لباس پہن گئے ہیں الحمد للہ ھو الفقہ الاکبر والجامع الکبیر لزیادات، فیضہ المبسوط، الدر الغُرر، بہ الھدایۃ ومنہ البدایۃ والیہ النھایۃ (یعنی سب حمد اللہ کے لئے ہے، یہی سب سے بڑی سمجھ اور اضافوں کو یکجا کرنے والی بات ہے، اس کا فیض ہے جو پھیلا ہوا ہے جیسے چمکتے ہوئے موتی ہوں، اسی ذات سے ہدایت وابستہ ہے، وہی اوّل اور وہی آخر ہے) یہ تو وُہ نئے معنی ہیں جو اُن پُرانے الفاظ کے لباس میں یہاں وارد ہوئے ہیں مگر ان کے پُرانے معانی فقہ حنفی کی اُمہات الکتب کے نام ہیں۔

فقہ اکبر امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کی تصنیف ہے۔ جامع کبیر، زیادات، فیض
مبسوط، دُرَر غُرر، ہدایہ اور بدایہ ونہایہ یہ سب کتبِ فقہ ہیں مگر زبانِ عربی پر
عبور رکھنے والے نے ان پُرانے الفاظ سے دوہرا کام لے کر اپنی مہارت و
عبقریت کا ثبوت دے دیا ہے۔

اسی تمہید کتاب میں صفۃ الکتاب کے عنوان سے کتاب کا تعارف کراتے
ہُوئے قرآنی الفاظ و تراکیب سے برکت و سعادت کا جو سماں باندھا گیا ہے وہ
کسی فنا فی العربیہ اور ماہرِ کلامِ ربانی کا پتا دیتا ہے۔ رسالہ اجلی الاعلام میں
بھی یہی رنگِ کمال نظر آتا ہے۔ یہاں پر مصنف عربی زبان کے اسالیبِ نگارش
پر عبور رکھنے کے علاوہ جدتِ تعبیر سے کام لینے میں بھی لاثانی نظر آتے ہیں فقہ جیسے
خشک مضمون میں اس جدت تعبیر نے جو رنگ پیدا کیا ہے اس نے دلچسپی میں اضافہ کر دیا ہے۔ فقہی
نصوص کے صحیح ادراک، دقتِ نظر و باریک بینی، بداہتِ قول و حاضر جوابی،
منطقی و موثر طریقۂ استدلال اور حُسنِ استنباط و استنتاج میں فاضل بریلوی کا
کوئی جواب نہیں۔ یہاں پر میں ایک خاص بات کا تذکرہ ضروری سمجھتا ہُوں جو
میں نے محسوس کی ہے۔ یُوں تو برِ عظیم پاک و ہند کے نامور عربی دانوں اور علوم
اسلامیہ کے ماہرین کے علمی کارناموں سے اپنے اور بیگانے سبھی ناآشنا
اور کم آگاہ ہیں مگر ان میں سے بعض اہلِ علم تو بے قدری اور احسان ناشناسی کی
حد تک گمنام چلے آتے ہیں اور لوگ ان کے حقیقی مقام و مرتبے کے منکر دکھائی
دیتے ہیں۔ برِ عظیم کی جن ہستیوں کو دانستہ یا نادانستہ طور پر فراموشی و بے قدری
کا مستحق گردانا گیا ان میں سے ایک کا تعلق سرزمینِ پنجاب سے ہے اور دوسرے
کا تعلق علم و ثقافت کے خطے یُوپی سے ہے۔ پنجاب کی نادرۂ روزگار ہستی
اور بے مثال عبقری تو مولانا عبد العزیز پرہاروی تھے جو مشہور عرب شاعر
ابو القاسم الشابی اور ایک انگریز شاعر کیٹس کی طرح جوانی میں ہی دنیا سے کُوچ

کر گئے مگر علمی کارناموں کے لحاظ سے ان کی مختصر عمر بھی طویل مدت ثابت ہُوئی۔
مولانا پرہاروی رحمۃ اللہ علیہ جس شہرت اور عزت کے مستحق تھے وُہ نہ تو انھیں زندگی
میں مل سکی اور نہ موت کے بعد گمنامی کا پردہ چاک ہو سکا۔ پنجاب کے اس عظیم
عبقری اور عالمِ دین کو کما حقہٗ متعارف کرانے کا شرف اللہ نے مجھے بخشا ہے،
ان کے متعلق خود بھی لکھا ہے اور دو مقالے پی ایچ ڈی کے بھی میری نگرانی میں
ہو رہے ہیں۔

خطۂ علم و ثقافت یُوپی سے اُٹھنے والی ہستی فاضل بریلوی مولانا احمد رضا
ہیں جن کے علمی کارناموں سے شدید اغماض برتا گیا بلکہ ان کے فضل و کمال سے
انکار کیا گیا۔ یہی نہیں بلکہ بدنامی کی جسارتیں بھی ہوتی رہیں۔ بظاہر اس کے
تین اسباب نظر آتے ہیں:

پہلا سبب تو خود ان کے نام لیواؤں کی کمزوری ہے جو ان کے علمی کارناموں
کو عام کرنے کی سنجیدہ کوشش نہ کر سکے۔ الا ماشاء اللہ!

دُوسری وجہ یہ ہے کہ وہ عالمی ادارے یا تنظیمیں جو برِ عظیم میں اہلِ علم کو
متعارف کرانے کے ذمہ دار تھے وہ حضرت فاضل بریلوی کی قدر شناسی اور
اعترافِ فضل سے گریزاں رہے۔

میرے خیال میں اس کا تیسرا سبب حسد و رقابت کے جذبات
ہو سکتے ہیں۔ معمولی آدمیوں کو ایسے حادثے کم پیش آتے ہیں مگر غیر معمولی
ذہانت و قابلیت کے مالک انسانوں کے لئے مخالفت و عداوت اور حسد و
رقابت بھی غیر معمولی نوعیت کی سامنے آتی ہے۔

امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ کثیر الجوانب عبقریت کے مالک تھے غالباً
اس وجہ سے ان کے علمی کارناموں کو پردۂ خفا میں رکھنے اور ان پر خاک ڈالنے

کی کوشش بھی ہوسکتی ہے ۔

بہرحال یہ بات باعثِ اطمینان ہونی چاہیے کہ اب برعظیم پاک و ہند میں ایسے افراد و ادارے وجود میں آچکے ہیں جو حضرت فاضل بریلوی کے تعارف کے ضمن میں تلافیٔ مافات کے لئے کوشاں ہیں ۔

ڈاکٹر رشید احمد جالندھری

ڈائریکٹر ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور

ترجمۂ قرآن ، فتاوٰی رضویہ

اور

مولانا احمد رضا خان رحمہ اللہ تعالیٰ

قرآن مجید اپنی صحت کے اعتبار سے ایک منفرد مقدس کتاب ہے۔ اس حقیقت کو ان لوگوں نے بھی تسلیم کیا ہے جو اسے آسمانی کتاب نہیں مانتے۔ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مقدس کتابوں میں سے قرآن مجید شاید واحد کتاب ہے جس کے پیغام کی دنیا میں غلط تعبیر و تشریح کی گئی ہے۔ اس افسوسناک امر کی ذمہ داری ایک حد تک مسلمانوں پر بھی عائد ہوتی ہے۔ مثلاً ماضی قریب تک وہ انگریزی زبان میں ایک مستند ترجمہ و تفسیر پیش کرنے سے قاصر رہے ہیں۔ اس ناکامی کی ایک وجہ یہ ہے کہ مترجم حضرات نے اپنے ترجمہ کے لئے چند عربی کتابوں اور عربی قوامیس کا سہارا لیا، اور قرآن فہمی اور ترجمہ کے لئے جو بنیادی شرائط درکار تھیں وہ ان سے بڑی حد تک بیگانہ تھے۔

چنانچہ قرآن کے اس ملکوتی نغمہ کا ادبی حُسن و جمال جس نے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پہلے سامعین کو مسحور کر دیا تھا، ترجمہ میں باقی نہ رہ سکا۔ لیکن وقت کے ساتھ ساتھ اہلِ علم کی کوششیں بار آور ہونے لگیں۔ اردو، انگریزی اور جرمن زبان میں کامیاب ترجمے اور تشریحی نوٹس لکھے گئے۔ ادھر کئی سال پہلے جب غیر ملکی زبانوں میں ترجمہ و تشریح کا سوال اُٹھا تھا تو جامعہ ازہر نے اس سلسلہ میں ایک کمیٹی کی تشکیل کی تھی جس نے طے کیا تھا کہ ترجمہ میں مندرجہ ذیل امور کا ملحوظ خاطر رہنا ضروری ہے:

(۱) عربی زبان کے ان اصطلاحی الفاظ کو جو علم کلام کے ذریعہ وجود میں آئے ترجمہ میں جگہ نہیں ملنی چاہیئے۔

(۲) سائنسی اور فلکیاتی مسائل ترجمہ پر اثر انداز نہیں ہوں گے، ترجمہ عربی زبان کے قواعد و ضوابط کی روشنی میں سرانجام دیا جائے گا۔

(۳) اس امر کی کوشش کی جائے کہ قارئین ترجمہ کے ذریعہ قرآن مجید کی رُوح سے آشنا ہوں۔ معجزات کی تشریح ان کے سیاق و سباق کی روشنی میں کی جائے۔

ہر چند ایک مدت تک ان سفارشات کی روشنی میں ترجمہ نہیں کیا جا سکا، اس سے یہ فائدہ ضرور ہوا کہ ترجمہ قرآن کے بارے میں پُرانی بحث ختم ہو گئی۔ شیخ مراغی اور شیخ شلتوت مرحوم نے ترجمہ کی ضرورت پر مضامین لکھے، انھوں نے ترجمہ کے جواز پر حنفی نقطۂ نظر کو تسلیم کر لیا۔

چنانچہ انفرادی طور پر پوری دُنیائے اسلام میں قرآن مجید کے تراجم دوسری زبانوں میں کئے گئے، اس سلسلے میں اردو زبان میں بھی تراجم ہوئے۔

اُردو زبان میں جن اہلِ علم نے ترجمے کئے آدمی ان کی نیکی، اخلاص اور محنت کی داد دئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ان تراجم کی اکثریت ایسی ہے جو قرآن مجید کے بے مثال ادبی و معنوی حسن کی ترجمانی نہیں کرتی۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ ان خدا ترس اہلِ علم کو اردو زبان کے ادبی سرمایہ پر عبور حاصل نہیں تھا، نیز یہ کہ ہر زبان کا اپنا اسلوب بیان ہے جس کا ترجمہ میں ملحوظ خاطر رہنا ضروری ہے، مثلاً کہا جاتا ہے ذهب فلان، HE WENT لیکن اس کا ترجمہ اردو زبان میں شخصیت کے مقام و مرتبہ کا لحاظ رکھتے ہوئے جمع کے ساتھ کیا جائے گا، مثلاً وُہ تشریف لے گئے۔ اگر کسی بڑی علمی و مذہبی، خاص طور پر پیغمبر کی ذاتِ گرامی کے ذکر میں عربی یا انگریزی سے ترجمہ مفرد ہی میں کیا جائے، تو وُہ ذوقِ سلیم پر گراں گزرے گا۔

چنانچہ ترجمہ و تشریح میں ادب کا ملحوظ رکھنا ازبس ضروری ہے۔

رسالہ قشیریہ کے معروف عالم ابو القاسم عبدالکریم القشیری نے جو علمائے آخرت میں سے تھے، لکھا ہے کہ شیخ ابو علی دقاق فرماتے تھے کہ قرآن نے حضرت ایوب کی دعا کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے؛

وایوب اذ نادٰی ربہ انی مسنی الضر وانت ارحم الراحمین۔

(انبیاء: ۸۳)

یہاں حضرت ایوب نے "ارحمنی" (مجھ پر رحم کیجئے) نہیں کہا اس لئے کہ وہ آداب سے آگاہ تھے۔

سورۃ مائدہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر آیا ہے، آپ خدائی سوال کے جواب میں عرض کریں گے؛

ان تعذبھم فانھم عبادک۔

آپ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) نے مزید عرض کیا:

ان کنت قلتہ فقد علمتہ۔

یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حضرت باری تعالیٰ کے آداب کا لحاظ رکھتے ہوئے نفی میں جواب نہیں دیا یعنی "لم اقل" نہیں کہا (سورہ مائدہ: ۱۱٦)۔ شاید یہی وجہ ہے کہ بعض عارفین نے قرآن مجید کی آیت کریمہ "لا یمسہ الا المطھرون" کا معنیٰ یہ کیا ہے کہ قرآن کے معانی کا نزول پاکیزہ دلوں ہی پر ہوتا ہے۔

گذشتہ دنوں جب مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی نے ازرہِ کرم مجھے مولانا احمد رضا خان مرحوم کے ترجمہ قرآن کا تحفہ دیا تو خاکسار نے اس ترجمہ کو مقدور بھر غور سے پڑھا۔ اس ترجمہ کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ مولانا مرحوم نے ترجمہ میں قرآن مجید اور حاملِ قرآن صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقام بلند کے آداب کو نگاہ میں رکھا ہے۔

میں یہاں صرف دو مثالوں پر اکتفا کروں گا؛

سورۃ الضحٰی میں آں حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں ارشادِ خداوندی ہے: ووجدک ضالا فھدٰی۔ مولانا اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں:

"اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی۔"

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ہمیں معلوم ہے کہ زمانہ نبوت سے پہلے بھی ان کے دامنِ وقار و تمکنت پر قبائلی رسم و رواج یا اہلِ مکہ کی بت پرستی و گمراہی کا کوئی داغ نہیں ہے اس لئے آیت کریمہ میں لفظ "ضال" کا ترجمہ وہی زیادہ مناسب ہے جو مولانا نے کیا ہے۔

ایسے ہی ایک دوسری سورۃ النجم میں آیا ہے: "والنجم اذا ھوٰی" (اس پیارے چمکتے تارے محمد کی قسم جب یہ معراج سے اترے)۔ اس آیت کریمہ کے بعد "ما ضل صاحبکم وما غوٰی" آیا ہے جو اس ترجمہ کے حق میں ہے۔ قدماء میں سے معروف صوفی سہل التستری نے بھی "والنجم اذا ھوٰی" سے مراد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہی لی ہے۔

معززِ حضرات! منتخب التواریخ میں عبدالقادر بدایونی نے شیخ علائی کے حالات میں لکھا ہے کہ وہ اپنے وقت کے عالم تھے، لیکن جب شیخ نیازی سے ملاقات ہوئی تو اُن پر قرآن فہمی کا ایک نیا دروازہ کھلا، بدایونی لکھتے ہیں:

"معانی قرآن و نکات و دقائق و حقائق آں بآسانی بر و مکشوف گشت۔"

ملا بدایونی کے اس بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے ابوالکلام آزاد، تذکرہ میں لکھتے ہیں:

"اور یہ بالکل سچ ہے۔ اب تک قرآن جس قدر پڑھتے پڑھاتے رہے تھے، بیضاوی و بغوی کی ورق گردانی تھی اور محض نقالی سے قرآن کی حقیقت کب کھل سکتی ہے، اس کے لئے تو جبریل عشق کے فیضان

اور دلِ دردمند کے الہام کی ضرورت ہے۔"

مولانا احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ کے ترجمۂ قرآن میں اسی "دلِ دردمند" کی آواز سنائی دیتی ہے۔

فتاویٰ رضویہ

حضرات! اس تقریب کا بنیادی مقصد معزز حاضرین کو مرحوم مولانا احمد رضا خان صاحب کے "فتاویٰ رضویہ" کی غیر معمولی اہمیت سے آگاہ کرنا ہے۔

یہ بات محتاجِ بیان نہیں کہ دینِ قیّم کے اسرار و حکم اور دقائق و حقائق انہی قلوب پر منکشف ہوتے ہیں جو مجلّا و مصفّیٰ ہیں اور حُسنِ مطلق کی جلوہ گاہ ہیں۔ چنانچہ یہی لوگ ہیں جو دین اور معاشرے کے تعلق پر گہری نظر رکھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ دین، دُنیا میں مخلوقِ خدا کی بھلائی اور بہتری کے لئے آیا ہے، اس کی مشکلات میں اضافہ کرنے کے لئے نہیں آیا۔ چنانچہ کہا گیا ہے کہ جو آدمی اپنے معاشرے کے احوال و ظروف سے آگاہ نہیں وہ "عالم" کہلانے کا مستحق نہیں۔ مولانا مرحوم نے اپنے فتاویٰ میں معاشرے کے رسم و رواج اور عرف و عادات کو نگاہ میں رکھا ہے اور مقدور بھر سعی کی ہے کہ ایک مسلمان آسانی سے حقوق اللہ اور حقوق العباد کو سر انجام دینے کی سعادت حاصل کرے۔ چنانچہ اُنھوں نے اس سلسلہ میں بنیادی نکتہ یہ بیان کیا ہے کہ فرائض کی ادائیگی اور محرمات سے اجتناب کو رضاءِ مخلوق پر مقدم رکھے، اور فتنہ و فساد سے بچنے اور انسانی قلوب کی مدارات و مراعات کے لئے غیر اولیٰ امور کو ترک کر دیا جائے۔ چنانچہ فتاویٰ رضویہ جلد چہارم (طبع جدید) میں فرماتے ہیں؛

"پس ان امور میں ضابطہ کلیہ واجبۃ الحفظ یہ ہے کہ فعلِ فرائض و

ترکِ محرمات کو ارضائے خلق پر مقدم رکھے اور ان امور میں کسی کی مطلق پروا نہ کرے، اور اتیانِ مستحب و ترکِ غیر اولیٰ پر مدارات خلق و مراعات قلوب کو اہم جانے اور فتنہ و نفرت، ایذاء اور وحشت کا باعث ہونے سے بچے۔"

یہ بات شاید کسی وضاحت کی محتاج نہیں کہ جو لوگ شریعتِ مطہرہ کی رُوح اور حکمت و علت سے تغافل برتتے ہیں اور ظاہری الفاظ کی پیروی کرنے پر زور دیتے ہیں، وُہ بعض اوقات اُمت میں اختلاف و تشتت کا باعث بنتے ہیں اور لوگوں کو مشقت و تنگی سے دوچار کرتے ہیں۔ اگر ان کی نگاہ سے شریعت کا بنیادی مقصد اوجھل نہ ہوتا تو ان کا زہدِ خشک لوگوں کو غیر اولیٰ اور لایعنی باتوں میں اُلجھنے نہ دیتا۔ اسی نکتے کی وضاحت کرتے ہُوئے فرماتے ہیں؛

"اسی طرح جو عادات و رسوم خلق میں جاری ہوں اور شرع مطہر سے ان کی حرمت و شناعت نہ ثابت ہو، ان میں اپنے ترفع و تنزہ کے لئے خلاف و جدال نہ کرے کہ یہ سب امور ائتلاف و موالست کے معارض اور مراد و محبوب شارع کے مناقض ہیں۔ ہاں ہاں ہوشیار و گوش دار! کہ یہ وہ نکتۂ جمیلہ و حکمتِ جلیلہ و کوچہ سلامت و جادۂ کرامت ہے جس سے بہت (سے) زاہدانِ خشک اور اہلِ تکشف جاہل و غافل ہوتے ہیں۔ وُہ اپنے زعم میں محتاط و دین پرور بنتے ہیں اور فی الواقع مغزِ حکمت و مقصودِ شریعت سے دُور پڑتے ہیں۔"

(فتاویٰ رضویہ جلد چہارم (جدید) ص ۵۲۸)

میں یہاں مولانا مرحوم کے فتاویٰ سے اور مثالیں دینا چاہتا تھا، لیکن تنگیٔ وقت کی بنا پر ایسا نہیں کر سکتا۔ واقعہ یہ ہے کہ مولانا کو اسلامی فقہ میں

جو عبور و رسوخ حاصل ہے اس کی بنیادی وجہ قرآن و سنّت سے ان کی گہری شیفتگی اور وابستگی ہے۔ چنانچہ میری اہلِ علم سے گزارش ہے کہ وہ مولانا مرحوم کے فتاوٰی کا گہری نظر سے مطالعہ فرمائیں اور فلسفۂ دین اور رُوحِ عصر سے آگاہ ہو کر لوگوں کے مسائل کو حل کریں اور انھیں مشقت و تنگی میں گرفتار ہونے سے بچائیں۔

مولانا قاضی عبدالدائم دائم
ایڈیٹر ماہ نامہ جامِ عرفان
خانقاہ نقشبندیہ، ہری پور

فتاوٰی رضویہ کا خطبہ

- علم و فضل کا شہ پارہ ——— فکر و فن کا مہ پارہ ———
- فصاحت و بلاغت اور براعتِ استہلال کا دمکتا ہوا شہکار
- کُتبِ فقہ اور ائمۂ کرام کے ناموں کا مہکتا ہوا گلزار

سلسبیل و کوثر و تسنیم کی موجِ رواں
کیف آگیں، جاں فزا تحریرِ شاہ احمد رضا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلْمُتَوَحِّدِ ◦ بِجَلَالِہِ الْمُتَفَرِّدِ
وَصَلٰوتُہٗ دَوْمًا عَلٰی ◦ خَیْرِ الْاَنَامِ مُحَمَّدِ
وَالْاٰلِ وَالْاَصْحَابِ ھُمْ ◦ مَاْوَایَ عِنْدَ شَدَائِدِیْ
فَاِلَی الْعَظِیْمِ تَوَسُّلِیْ ◦ بِکِتَابِہٖ وَبِاَحْمَدِ

(امام احمد رضا)

ارشادِ ربانی ہے:

وَاَمَّا بِنِعْمَۃِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ۔
یعنی اپنے رب کی نعمتوں کو بیان کیجیے۔

اعلیٰحضرت امام احمد رضا خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ اسی فرمانِ خداوندی پر عمل کرتے ہوئے یوں زمزمہ سرا ہوتے ہیں:

ملکِ سخن کی شاہی تم کو رضاؔ مسلّم
جس سمت آگئے ہو سکّے بٹھا دیئے ہیں

اگرچہ سیاق وسباق کے اعتبار سے یہاں "سخن" سے مراد منظوم کلام ہے، لیکن درحقیقت امام احمد رضا کی شاہی ہر نوعِ سخن میں مسلّم ہے ـــ خواہ نظم ہو یا نثر۔
مزید کمال کی بات یہ ہے کہ کلام وبیان پر آپ کی قدرت کسی ایک زبان سے

مختص نہیں ہے؛ بلکہ عربی، فارسی، اردو اور ہندی میں سے جس زبان کو ذریعۂ اظہار بنانا چاہیں، اس کے تمام الفاظ آپ کے بے پایاں حافظے میں مستحضر ہو جاتے ہیں اور ان میں سے آپ جس لفظ کو موقع ومحل کے لحاظ سے موزوں سمجھتے ہیں اس کو اتنی خوبصورتی اور تناسب سے استعمال میں لاتے ہیں کہ خوش گفتاری کا حق ادا کر دیتے ہیں اور نثر میں بھی نظم کا سماں باندھ دیتے ہیں۔

مسجّع الفاظ کی ایسی لڑیاں اور مقفّٰی جملوں کی ایسی مالائیں آپ کے منظوم و منثور کلام میں اتنی کثرت سے پائی جاتی ہیں کہ ان کا احاطہ از بس دشوار ہے؛ تاہم ان میں سب سے زیادہ حیرت انگیز "فتاویٰ رضویہ" کا عربی خطبہ ہے، جو بلا شبہ فصاحت وبلاغت کا ایک اچھوتا شہکار ہے۔ دلکش اشارات، روشن تلمیحات، خوبصورت استعارات اور خوشنما تشبیہات پر مشتمل اس بلاغت پارے کی خصوصیت یہ ہے کہ خطبے کے جملہ لوازمات ومناسبات ـــ یعنی اللہ تعالیٰ کی حمد، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف، صحابہ اور اہلِ بیت کی مدح، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اہلِ بیت پر درود وسلام ـــ یہ تمام چیزیں کُتبِ فقہ اور ائمہ کے ناموں سے ادا کی گئی ہیں۔ یعنی کُتبِ فقہ کے ناموں اور ائمہ کے اسماءِ گرامی کو اس طرح ترتیب دیا گیا ہے کہ کہیں حمد کے غنچے چٹک اُٹھے ہیں اور کہیں نعت کے پھول کھل پڑے ہیں، کہیں منقبت کے گجرے بن گئے ہیں اور کہیں درود وسلام کی ڈالیاں تیار ہو گئی ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ جملہ مُحسّناتِ بدیعیہ، از قسمِ براعتِ استہلال و رعایتِ سجع وغیرہ بھی پوری طرح ملحوظ رکھی گئی ہیں۔ اتنی قیودات اور پابندیوں کے باوجود خطبے کی سلاست وروانی میں ذرا بھر فرق نہیں پڑا ـــ نہ جملوں کی بے ساختگی میں کہیں جھول پیدا ہوا، نہ تراکیب کی برجستگی میں کوئی خلل واقع ہوا۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ۝

اس مختصر مقالے میں اتنی گنجائش تو نہیں کہ اس ضیا بار خطبے کی تمام خُوبیاں گنائی جائیں ؛ تاہم چند دلآویز جھلکیاں خوشِ ذوقِ قارئین و سامعین کی نذر ہیں

ع گر قبول افتد زہے عزّ و شرف

حمدِ باری تعالیٰ

فقہ حنفی میں امامِ اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی ایک مشہور تصنیف کا نام "الفقہ الاکبر" ہے۔ اسی طرح جامع کبیر، زیادات، فیض، مبسوط، دُرَر، غُرَر بھی بلند پایہ فقہی تصنیفات ہیں۔ امام احمد رضا نے ان ناموں میں کہیں ضمیر کا، کہیں حرفِ جر وغیرہ کا اضافہ کرکے ان کو اس انداز میں ترتیب دیا ہے کہ کتابوں کے یہ نام ہی اللہ تعالیٰ کی بہترین حمد بن گئے ہیں، فرماتے ہیں ؛

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ھُوَ الْفِقْہُ الْاَکْبَرُ وَ الْجَامِعُ الْکَبِیْرُ لِزِیَادَاتِ فَیْضِہِ الْمَبْسُوْطِ الدُّرَرِ الْغُرَرِ (سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں، اللہ کی تعریف ہی سب سے بڑی دانائی ہے اور اللہ تعالیٰ کے پھیلے ہُوئے فیض کے شفاف اور تابناک اضافوں کی بڑی جامع ہے)

سُبحان اللہ! کیا دلپذیر حمد ہے!

یعنی فیضانِ الٰہی کے اضافے اور زیادات موتیوں کی طرح شفاف اور روشن پیشانیوں کی طرح تابناک ہیں۔ اب آپ خود ہی سوچیے کہ جس فیض کے اضافے اور زیادات اس قدر منزّہ اور روشن ہوں اس فیض کی اپنی شفافیت و تابندگی کا کیا عالم ہوگا! پھر صاحبِ فیض جَلَّ وعَلاَ کی تابانی و درخشانی کی تو بات ہی نہ پُوچھئے کہ وہ انسانی فہم و ادراک سے ماوراء ہے اور زبان و بیان اس کی ترجمانی سے قاصر ہیں۔

بقول شیخ سعدیؒ : ؎

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم — وز ہر چہ گفتہ اند و شنیدیم و خواندہ ایم
دفتر تمام گشت و بپایاں رسید عمر — ما ہمچناں در اولِ وصفِ تو ماندہ ایم

جزاک اللہ، اے امام احمد رضا! کیا البیلی اور انوکھی حمد بیان کی ہے آپ نے، اللہ رب العالمین کی!

لیکن واضح رہے سامعین و قارئینِ کرام! کہ حمد کا یہ پہلو ضمنی ہے، جبکہ امام احمد رضا درحقیقت یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نہ کوئی حد ہے، نہ انتہا۔ یعنی ؛ ع

حمدِ بے حد مر خدائے پاک را

لیکن محض "حمدِ بے حد" کہہ دینے سے وہ بات نہیں بنتی جو امام احمد رضا کہنا چاہتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے فیضِ مبسوط کا ذکر کرتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ اللہ کے فیض کی کوئی انتہا نہیں۔ اور غیر متناہی فیض کی زیادات، غیر متناہی در غیر متناہی ہوں گی اور جو حمد ان زیادات کی جامع ہوگی وہ غیر متناہی در غیر متناہی در غیر متناہی ہوگی، اور امام احمد رضا اللہ تعالیٰ کی ایسی ہی حمد کرنا چاہتے ہیں — الجامع لزیادات فیضہ ......

کیا کمال درجے کا اغراق فی المبالغہ ہے! "حمدِ بے حد" یا "بے انتہاء تعریف" میں اس مبالغے کا عشرِ عشیر بھی نہیں پایا جاتا۔

صلوٰۃ وسلام اور اس کے ضمن میں حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل کا بیان

بارگاہِ رسالت میں صلوٰۃ وسلام پیش کرتے ہُوئے امام احمد رضا نے پہلے تو ائمۂ فقہ کے ناموں اور معروف القاب کو اس طرح ترتیب دیا کہ کچھ ان میں سے سرورِ عالم

کے نام بن گئے اور کچھ ان کی صفات ۔ اس کے بعد اسمارِ کُتب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل بیان کئے ہیں ۔ البتہ صلوٰۃ وسلام پیش کرنے کے دوران امام احمد رضا نے مندرجہ بالا تمام محاسن و لطائف کے علاوہ ایک اور خوبی کا اضافہ کیا ہے ۔ یعنی سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اپنے عقیدے کی بھی وضاحت کر دی ہے اور یوں اہلِ سنّت کی ترجمانی کا فریضہ بھی انجام دے دیا ہے ۔

امام احمد رضا کا عقیدہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سب کے ، بلکہ سارے عالم کے مالک ہیں لیکن بالذات نہیں بلکہ اللہ کی تملیک سے مالک ہیں ۔ اپنے نعتیہ کلام میں فرماتے ہیں : ؎

ان کو تملیکِ ملیک الملک سے
مالکِ عالم کہا ، پھر تجھ کو کیا !

ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بروزِ محشر عاصیوں کی شفاعت فرمائیں گے اور حق تعالیٰ سے ان کو بخشوائیں گے ؎

پیشِ حق مژدہ شفاعت کا سُناتے جائیں گے
آپ روتے جائیں گے ، ہم کو ہنساتے جائیں گے

اب دیکھئے کہ ائمہ کرام کے اسمار و القاب سے کس طرح اپنے عقیدے کی وضاحت فرمائی ہے ۔ لکھتے ہیں ؛

وَالصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ عَلَی الْاِمَامِ الْاَعْظَمِ لِلرُّسُلِ الْکِرَامِ ؎ مَالِکِیْ وَشَافِعِیْ اَحْمَدُ الْکُرَامِ ۔ (اور صلوٰۃ وسلام ہو رسولوں کے سب سے بڑے امام پر ، جو میرے مالک ہیں اور میرے لئے شفاعت کرنے والے ہیں ، ان کا نام احمد ہے ، بہت ہی عزت والے ہیں)

امامِ اعظم ، امام مالک ، امام شافعی ، امام احمد ——— ائمہ مذاہب اربعہ کے

معروف القاب و اسمار مذکور ہیں ، انہی کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کی جارہی ہے اور ساتھ ساتھ اپنا عقیدہ بیان کیا جارہا ہے ۔

تھوڑا آگے بڑھئے اور اہلِ سنّت کے ایک اور عقیدے کی ترجمانی کا انداز دیکھئے ۔ اہلِ سنّت کا عقیدہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام کائنات کی اصل اور مَبدَا ہیں : ؎

تو اصلِ وجود آمدی از نخست
دگر ہر چہ موجود شد فرعِ تست

یہی عقیدہ امام احمد رضا کا ہے : ؎

اصلِ ہر بود و بہبود ، تخمِ وجود
قاسمِ کنزِ نعمت پہ لاکھوں سلام

اس عقیدے کے اظہار کے لئے آپ نے امامِ اعظم کے تین مشہور شاگردوں یعنی امام محمد ، امام حسن ابن زیاد اور امام قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے ناموں کا انتخاب کیا اور انھیں اس طرح یکجا کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمِ گرامی کا بھی اظہار ہو گیا ، آپ کے حُسن و جمال کا بھی بیان ہو گیا اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ حُسنِ یوسف پرتوِ حُسنِ مصطفیٰ ہے ، بلکہ خود یوسف علیہ السلام فرعِ مصطفےٰ اور ابنِ مصطفیٰ ہیں ، صلی اللہ علیہ وسلم ۔

چنانچہ فرماتے ہیں : ؎

یَقُوْلُ الْحُسْنُ بِلَا تَوَقُّفْ
مُحَمَّدٌ الْحَسَنُ اَبُوْ یُوْسُفْ

آپ کے جمال بے مثال کو دیکھ کر خود حُسن بغیر کسی توقف کے پکار اُٹھتا ہے کہ حُسن والے محمد صلی اللہ علیہ وسلم درحقیقت یوسف علیہ السلام کے 'اب' اور اصل ہیں ۔

ایک یوسف علیہ السلام پر ہی کیا موقوف —— جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوقات کی اصل ٹھہرے تو ظاہری وجود میں جو آپؐ کے جدِّ امجد ہیں، یعنی ابوالبشر آدم علیہ السلام، وُہ بھی حقیقت کے اعتبار سے آپؐ کے پسر قرار پاتے ہیں۔

"حدائق بخشش" میں اس حقیقت کو یُوں واضح کیا: ؎

ان کی نبوّت، ان کی ابوّت ہے سب کو عام
اُمّ البشر عروس انہی کے پسر کی ہے
"ظاہر میں میرے پھُول، حقیقت میں میرے نخل"
اس گُل کی یاد میں یہ صدا ابوالبشر کی ہے

اور یوسف علیہ السلام کے حُسن پر ہی کیا منحصر —— اہلِ سنّت کے نزدیک تو تمام انبیاء و رُسل کے جُملہ کمالات بارگاہِ مصطفوی کا فیضان وعطا ہے۔ امام بوصیری رح فرماتے ہیں: ؎

وَکُلُّھُمْ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ مُلْتَمِسٌ
غُرْفًا مِّنَ الْبَحْرِ اَوْ رَشْفًا مِّنَ الدِّیَمِ

(تمام انبیاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بحرِ کرم سے ایک چُلّو کے، یا آپؐ کی بارانِ رحمت سے ایک چھینٹے کے طلبگار ہیں)

اور امام احمد رضا یُوں نغمہ سرا ہوتے ہیں: ؎

لا و ربّ العرش! جس کو جو ملا ان سے ملا
بٹتی ہے کونین میں نعمت رسول اللہ کی

اسی عقیدے کو "فتاوٰی رضویہ" کے خطبے میں تلمیح کے انداز میں بیان کیا ہے: ؎

اَلْبَحْرُ الرَّائِقُ ۞ مِنْہُ یَسْتَمِدُّ کُلُّ نَھْرٍ فَائِقٍ۔

"البحرالرائق" اور "النہرالفائق"، "کنزالدقائق" کی دو شرحیں ہیں۔ اعلحضرت

نے "منہ یستمد کل" کا اضافہ کر کے کیا ایمان افروز معنی پیدا کئے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وُہ حیران کن سمندر ہیں کہ ہر فوقیت رکھنے والا دریا اور نہر انہی سے مدد لیتی ہے۔

گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فضل و کمال کے بحرِ ذخّار ہیں اور باقی انبیاء و رسل فوقیت رکھنے والے دریا اور نہریں۔ ظاہر ہے کہ دریاؤں اور نہروں میں وہی پانی بہتا ہے جو بھاپ بن کر سمندر سے اُٹھتا ہے اور کہیں بارش بن کر برستا ہے، کہیں برف بن کر گرتا ہے۔

منقبت

اگر کسی مسئلے میں امام ابوحنیفہ اور قاضی ابویُوسف متفق ہوں تو فقہاء ان کو "شیخین" کہتے ہیں اور اگر قاضی ابویوسف اور امام محمد کا اتفاق ہو تو ان کو "صاحبین" کہا جاتا ہے۔ اور اگر امام ابوحنیفہ اور امام محمد کی ایک رائے ہو تو ان کو "طرفین" کا لقب دیا جاتا ہے۔ اب امام احمد رضا کا کمال دیکھئے کہ انہوں نے ان تینوں فقہی اصطلاحات کو صدیقِ اکبر رض اور فاروقِ اعظم رض پر منطبق کر دیا اور فرمایا:

لَاسِیَّمَا الشَّیْخَیْنِ الصَّاحِبَیْنِ ۞ الْاٰخِذَیْنِ مِنَ الشَّرِیْعَۃِ وَالْحَقِیْقَۃِ بِکِلَا الطَّرَفَیْنِ (خصوصاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ دو بزرگ ساتھی جو شریعت و حقیقت کے دونوں کناروں کو تھامنے والے ہیں)

غرضیکہ کیا کیا لکھوں اور کہاں تک لکھوں کہ ع
نہ حُسنش غایتے دارد نہ سعدی را سخن پایاں

مگر فی الحال اختصار کے پیشِ نظر اتنا ہی کہوں گا کہ اتنے اوصاف و محاسن پر مشتمل خطبہ آج تک نہیں لکھا گیا —— باقی خصوصیات کو چھوڑیئے، صرف ایک خصوصیت

پر نظر ڈال لیجئے، آپ کو میرے دعوے کی صداقت کا یقین آجائے گا۔ اور وہ حیرت فزا
خصوصیت یہ ہے کہ اس خطبے میں مجموعی طور پر ۹۰ نوّے کتابوں اور اماموں کے نام
مذکور ہیں اور جس خوبی و لطافت سے مذکور ہیں اس پر فصاحت ناز کرتی ہے اور
بلاغت جھوم جھوم اُٹھتی ہے۔

یہ بھی ملحوظ رہے کہ فصاحت و بلاغت کی یہ رعنائیاں صرف خطبے تک ہی
محدود نہیں؛ بلکہ پورا فتاوٰی تخیّل کی نزاکتوں اور ادبی لطافتوں سے مالامال ہے۔
اگر اس کی تفصیل بیان کی جائے تو سیکڑوں صفحات درکار ہیں؛ تاہم ایک امتیازی
کمال کی طرف اہلِ ذوق کو متوجہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ احمد رضا کا معمول ہے کہ اگر کسی
سوال کا جواب زیادہ تفصیل سے دینا ہو تو اس کو مستقل رسالہ بنا دیتے ہیں اور
باقاعدہ اس کا نام رکھتے ہیں، یہ نام اس قدر موزوں، مناسب اور واقع کے مطابق
ہوتا ہے کہ پڑھنے والا امام احمد رضا کی دسترس اور رسائی پر حیران رہ جاتا ہے۔ ہر نام
میں مندرجہ ذیل چار خصوصیات مشترک ہوتی ہیں:

۱- ہر نام عربی میں ہوتا ہے خواہ رسالہ کسی بھی زبان میں ہو۔

۲- ہر نام دو حصوں پر مشتمل ہوتا ہے اور دونوں حصوں کا آخری حرف ایک ہی ہوتا
ہے، یعنی سجع کا پورا پورا خیال رکھا جاتا ہے۔

۳- ہر نام اسم بامسمّٰی ہوتا ہے۔ یعنی نام ہی سے پتا چل جاتا ہے کہ اس رسالے
کا موضوع کیا ہے۔

۴- ہر نام تاریخی ہوتا ہے، یعنی ابجد کے حساب سے اگر اس کے حروف کے
اعداد نکالے جائیں تو ان کا مجموعہ اس سن پر دلالت کرتا ہے جس میں وہ رسالہ
لکھا گیا۔

مثال کے طور پر رضا فاؤنڈیشن کے زیرِ اہتمام انتہائی آب و تاب سے چھپنے والی

فتاوٰی رضویہ کی پہلی جلد میں گیارہ رسالے ہیں۔ ان میں سے بطورِ نمونہ صرف تین نام
پیشِ خدمت ہیں:

(ا) اگر امام ابو حنیفہ اور صاحبین و متاخرین فقہاء کا کسی مسئلے میں اختلاف ہو جائے
تو اس صورت میں کس کے قول پر فتوٰی ہوگا؟ ——— امام صاحب کے؟
——— صاحبین و دیگر فقہاء کے؟ ——— یا بعض معاملات میں امام صاحب
کے قول پر اور بعض میں صاحبین و دیگر فقہاء کی رائے پر؟ ——— اس مسئلے کی
توضیح کے لئے امام احمد رضا نے جو رسالہ لکھا اس کے نام سے ہی ان کی
تحقیق واضح ہو جاتی ہے:

اجلی الاعلام، ان الفتوی مطلقا علی قول الامام

واضح اعلان کہ فتوٰی بہر صورت امام ابو حنیفہ کے قول پر ہے

(ب) کون سی نیند ناقضِ وضو ہے اور کونسی نہیں ——— اس کی تفصیلات سے قوم کو
آگاہ کرنے کے لئے جو رسالہ لکھا اس کا نام ہے:

نبہ القوم، ان الوضوء من ای نوم

قوم کو آگاہ کرنا کہ کون سی نیند کے بعد وضو ہے

(ج) حالتِ جنابت میں قرأت جائز ہے یا نہیں؟ ——— اگر جائز ہے تو کن کن
صورتوں میں؟ ——— ان مسائل سے پردہ اٹھانے والے رسالے کا نام ہے:

ارتفاع الحجب، عن وجوه قرأة الجنب

پردوں کا اُٹھ جانا، ان تمام صورتوں سے جو جنبی کی قرأت سے متعلق ہیں

تینوں رسائل کے نام مندرجہ بالا چاروں خصوصیات کے جامع ہیں جن میں سے
پہلی تین تو واضح طور پر نظر آرہی ہیں؛ البتہ چوتھی خصوصیت یعنی نام کا تاریخی ہونا،
استخراج کا تقاضا کرتی ہے۔ نبہ القوم کا استخراج درج ذیل ہے کیونکہ یہ نام

تینوں میں مختصر ہے، باقیوں کو اس پر قیاس کر لیجئے۔

نبہ القوم　ن، ب، ہ، ا، ل، ق، و، م

۵۰ + ۲ + ۵ + ۱ + ۳۰ + ۱۰۰ + ۶ + ۴۰ ——————— = ۲۳۴

ان الوضوء من ای نوم　ا، ن، ا، ل، و، ض، وٗ، م، ن، ا، ی، ن، و، م　+

۱ + ۵۰ + ۱ + ۳۰ + ۶ + ۸۰۰ + ۶ + ۴۰ + ۵۰ + ۱ + ۱۰ + ۵۰ + ۶ + ۴۰ = ۱۰۹۱

———

۱۳۲۵

۱۳۲۵۔ اس کا مجموعۂ اعداد ہے اور یہی سنِ تاریخ ہے۔

امام احمد رضا کے سوا ایسے عمدہ، اعلیٰ، دلنشین اور فکر و فن کے شہکار نام کون رکھ سکتا ہے! تاریخ میں کسی ایک فاضل کا نام بتا دیجئے جس نے اتنے رسالے لکھے ہوں اور ان کے ایسے خوبصورت نام رکھے ہوں!

بلاشبہ امام احمد رضا متنبی کے اس شعر کا حقیقی مصداق ہیں ؎

مضت الدھور وما اتین بمثلہ
ولقد اتی فعجزن عن نظرائہ

وصلی اللہ علیٰ سیدنا و مولینا محمد و علیٰ آلہ و اصحابہ و ذریاتہ اجمعین

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام　شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام
اُن کے مولیٰ کے ان پر کروڑوں درود　اُن کے اصحاب و عترت پہ لاکھوں سلام
شافعی، مالک، احمد، امام حنیف　چار باغِ امامت پہ لاکھوں سلام
بے عذاب و عتاب و حساب و کتاب　تا ابد اہلِ سنّت پہ لاکھوں سلام

ایک میرا ہی رحمت پہ دعویٰ نہیں
شاہ کی ساری امت پہ لاکھوں سلام

آمین یا ربّ العٰلمین

پروفیسر ثناء اللہ بھٹی
سابق چیئرمین شعبۂ ریاضی پنجاب یونیورسٹی

ریاضیاتی علوم میں

امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ کے کارہائے نمایاں

(عنوانِ بالا پہ لکھے جانے والے مقالہ کی تلخیص)

امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ ایک جامع العلوم ، یگانہ اور عبقری ہستی تھے ۔ آپ نے نہ صرف علومِ دینیہ میں بے محابا محققانہ اور مجتہدانہ کام کیا بلکہ علومِ عقلیہ میں بھی اپنے ہم عصر علماء سے کہیں زیادہ تصانیف و تالیفات تحریر کر ڈالیں ۔ حیرت کی بات تو یہ ہے کہ ایک ایسے عالمِ دین نے ، جسے کالج یا یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کرنے کا موقعہ نہ ملا ، ریاضی کی کئی شاخوں میں مثلاً ہندسہ ، علمِ مثلث کروی ، علمِ ہیئت (علمِ فلکیات) میں برصغیر کے تمام پیشہ ور ریاضی دانوں سے کہیں زیادہ کام کر دکھایا ۔

آپ کو کسی ذریعہ سے معلوم ہوا کہ حساب میں ضرب ، تقسیم اور قوت و جذر کے عوامل لوگرتھم کی مدد سے بہت آسان ہو جاتے ہیں ، سو آپ نے انگریزی کی ایک اچھی سی لوگرتھم کی کتاب کا اردو میں ترجمہ کرایا ۔ اس کے مطالعہ سے آپ کو اس طریقہ میں مہارتِ تامہ حاصل ہو گئی ۔ سو آپ نے اِس طریقہ کو دینی مسائل کے حل میں جہاں دقیق حسابی عمل کی ضرورت پڑتی ہے ، جابجا استعمال کیا ہے ۔

آپ نے یہ بھی محسوس کیا کہ بعض دینی مسائل میں مثلث کروی اور علم فلکیات کی ضرورت پڑتی ہے ، سو آپ نے ان علوم کی طرف ایسی توجہ دی کہ آپ ان میں بہت سا تحقیقی کام کرنے میں بھی کامیاب ہو گئے ۔

بعض جزئیات میں آپ سے اختلاف کی گنجائش موجود ہے ، لیکن اس سے

آپ کی عظمت میں کوئی فرق نہیں پڑتا ۔ آج تک کوئی ریاضی دان یا سائنس دان ایسا نہیں ہوا جس کے کام میں بعد کے ماہرین نے ترمیم و اصلاح نہ کی ہو ۔ علومِ عقلیہ میں تو اختلاف ہی سے ترقی و وسعت ہوتی ہے ۔ خود امام صاحبؒ نے کئی عقلی اور نقلی مسائل میں علمائے سلف سے اختلاف کیا ہے ۔

علمائے دین کو چاہیئے کہ آپ کے علوم کو سیکھیں ، ان پہ عمل کریں اور انھیں عامۃ المسلمین تک پہنچائیں تاکہ بعض حلقوں میں جو آپ کے خلاف الرجی موجود ہے وُہ دور ہو ۔

فقیر کے خیال میں آپ کے علمی کام سے بھی زیادہ اہم آپ کا محققانہ اور مجتہدانہ اندازِ بیان ہے ۔ دورِ جدید کے علماء کو چاہیئے کہ وہ بھی بقول علامہ اقبالؒ :

ے زمانے با ارسطو آشنا باش — دمے با سازِ بیکن ہم نوا باش
ولیکن از مقامِ شاں گزر کن — مشو گم اندریں منزل سفر کن

(جس پر امام صاحبؒ نے پُورا پورا عمل کیا)

اندھی تقلید کی بجائے محققانہ انداز اپنائیں اور علومِ نقلیہ کے حصول کی بھی مساعی کریں ۔

ریاضیاتی علوم میں امام صاحبؒ کے کام کا تنقیدی جائزہ لینے کی ضرورت ہے ۔ یہ کام کوئی شخصِ واحد نہیں کر سکتا کیونکہ آپ کا بیشتر کام فارسی اور عربی میں ہے اور جو علماء فارسی اور عربی میں مہارت رکھتے ہیں وہ اکثر ریاضی سے نابلد ہیں اور جو حضرات ریاضی جانتے ہیں انھیں فارسی اور عربی زبانوں میں مہارت حاصل نہیں ۔ سو ضروری ہے کہ اِس کام کے لئے ایک بورڈ تشکیل دیا جائے جس میں دونوں طرح کے علماء شامل ہوں اور وہ مل جل کر کام کریں ۔

ایسے بورڈ کی تشکیل اوّل تو حکومت اور یونیورسٹیوں کو کرنی چاہیے۔
اگر وہ نہ کر پائیں تو قوم کے مخیّر حضرات کو اس طرف توجہ دینا چاہیے۔

آخر میں دُعا ہے کہ رب کریم ہم سب کو امام صاحبؒ کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

پروفیسر محمد اسحاق بھٹی

ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور

سابق ایڈیٹر "الاعتصام" و مصنف فقہائے ہند

فتاویٰ رضویہ ایک عظیم الشّان فقہی ذخیرہ

برصغیر پاکستان و ہندوستان کی سرزمین علم و فضل کے اعتبار سے بڑی سرسبز و زرخیز ہے۔ ہر دور میں یہاں بے شمار اربابِ فضل و اصحابِ کمال پیدا ہوئے، اُنھوں نے بے پناہ علمی خدمات سرانجام دیں۔ قرآن مجید کی تفاسیر، احادیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شروح سپردِ قلم کیں اور فقہی مسائل پر مختلف انداز میں بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں۔ چودھویں صدی ہجری میں جو حضرات بہت نمایاں ہو کر برصغیر کے میدانِ علم میں اُترے ان میں مولانا احمد رضا بریلوی کا اسم گرامی خاص طور پر قابلِ ذکر ہے وُہ ہر شعبۂ علم اور ہر گوشۂ تحقیق میں اپنا ایک مقام رکھتے ہیں۔

مولانا مذکور کثیر التصانیف عالمِ دین تھے اور ان کے معلومات کا دائرہ بہت وسیع تھا جس کی وضاحت متعدد حضرات نے اپنے مقالات و مضامین میں کی ہے، بلکہ بعض اصحابِ تحقیق ان کی علمی خصوصیات پر کام کر رہے ہیں اور بعض حضرات نے اس سلسلہ میں مستقل کتب تصنیف کی ہیں جن میں مولانا کی زندگی کے تمام پہلوؤں کو زیرِ بحث لایا گیا ہے بلکہ یہ معلوم کر کے خوشی ہُوئی کہ ملک و بیرونِ ملک اہم علمی مراکز میں مولانا پر کام ہو رہا ہے۔ یہ ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ مولانا احمد رضا رحمہ اللہ کو اللہ تعالیٰ نے بہت سی خصوصیات سے نوازا تھا ان میں سے ایک خصوصیت یہ تھی کہ وہ علمِ فقہ سے متعلق انتہائی گہری اور دقیق نظر رکھتے تھے۔ اس فن میں اللہ تعالیٰ نے ان کو درک و نظافت کی نعمت فراوانی سے عطا فرمائی تھی۔ اُنھوں نے چھوٹی عمر ہی میں

فتویٰ نویسی کا سلسلہ شروع کر دیا تھا جو زندگی کے آخری لمحات تک ان کی دلچسپی کا مرکز رہا، مختلف ممالک و اطراف سے سیکڑوں استفتاء آتے جن کا جواب نہایت ہی تحقیق سے لکھتے اور فتویٰ کو مدلل فرماتے ہوئے کُتبِ فقہ کی عبارتوں کی عبارتیں بلا تکلف لکھتے چلے جاتے ہیں۔ یوُں معلوم ہوتا ہے کہ تمام ماخذِ کتب انھیں ازبر تھیں، اگرچہ آپ امام ابُوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے مقلد تھے لیکن دیگر تمام ائمۂ فقہ کے افکار و نظریات سے بھی مکمل طور پر آگاہ تھے۔ ان کے مطالعہ کی حدود بہت وسیع تھیں جس کی وجہ سے وہ نہایت ہی آسانی سے مسئلہ کی تہ تک پہنچ جاتے تھے۔

فتاویٰ کی صورت میں ان کی فقہی مساعی "فتاویٰ رضویہ" کے نام سے بارہ ۱۲ ضخیم جلدوں پر محیط ہیں۔ یہ ضخیم جلدیں جہاں ہزاروں مسائل کی تحقیقات پر مشتمل ہیں وہاں وہ سیکڑوں علوم کو بھی اپنے دامنِ صفحات میں لئے ہُوئے ہیں۔

اُردو خواں حضرات کے لئے اس فقہی اور علمی ذخیرے سے استفادہ کو آسان بنانے کے لئے عربی عبارات کا ترجمہ اور حوالہ جات کی تخریج اور جدید انداز سے پیرا بندی ضروری تھی۔ یہ معلوم کر کے خوشی ہُوئی کہ یہ اہم خدمت رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ اندرون لوہاری گیٹ لاہور کے تحت سرانجام دی جا رہی ہے، جس کا اہتمام و انصرام جناب مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی فرما رہے ہیں۔ تخریج و ترجمہ کا یہ کام کتاب الطہارت تک چار جلدوں میں اشاعت پذیر ہو چکا ہے۔ یہ چاروں جلدیں نہایت خوب صورت ہیں، جن کی کتابت، طباعت، کاغذ اور جلد اعلیٰ و معیاری ہے۔ خدا کرے یہ عظیم کام مکمل ہو سکے اور شائقینِ علم کے مطالعہ میں آسکے۔ آمین!

صاحبزادہ سید خورشید احمد گیلانی، لاہور

اعلیحضرت فاضل بریلوی رحمہ اللہ

ع اب ڈھونڈ انھیں چراغِ رُخِ زیبا لے کر

ایک آدمی اگر کوہِ ہمالہ کی چوٹی پر کھڑا ہو اور وہ نیچے کی طرف دیکھے تو اُسے ہر چیز بہت چھوٹی نظر آئے گی، خواہ وہ چیزیں اپنے طور پر بہت بڑی ہوں۔ اس لئے کہ وہ خود بہت بلندی پر کھڑا ہوتا ہے۔ لیکن وہی شخص اگر اپنے اُوپر آسمان کی طرف دیکھے تو وہ خود کو آسمان کی وسعت کے مقابلے میں بہت سُکڑا ہوا، اس کی بلندی کے سامنے اپنے آپ کو بہت پست اور اس کے حجم کے تناظر میں اپنی ذات کو رائی کے دانے کے برابر سمجھے گا۔

کچھ اسی طرح کی صورتِ حال کا سامنا اس شخص کو کرنا پڑتا ہے جو عالمِ اسلام کی عبقری شخصیت اور برِّ صغیر کی انتہائی عظیم المرتبت ہستی اعلٰحضرت فاضلِ بریلویؒ کے بارے میں کچھ کہنا اور ان پر کچھ لکھنا چاہتا ہو۔ اس دور کا کوئی بڑے سے بڑا عالم، فاضل، مفتی، فقیہ، محدّث، مفسّر، متکلّم، مصنّف اور شاعر علوم و فنون کے کوہِ ہمالہ پر کیوں نہ کھڑا ہو اور ہر ایک اُس کے سامنے بونا اور ٹھنگنا کیوں نہ نظر آ رہا ہو مگر جب وہ اعلٰحضرت فاضلِ بریلویؒ جیسے علم و فضل اور تحقیق و تصنیف کے آسمان پر نظر ڈالتا ہے تو دوسروں کا کیا مذکور، وہ خود اپنے آپ کو بہت کوتاہ قامت اور پست شخصیت نظر آنے لگتا ہے۔ اُن پر بات کرتے ہوئے بڑے سے بڑے خطیب کی زبان لڑکھڑانے لگتی ہے اور بڑے سے بڑے ادیب کی نوکِ قلم سے الفاظ ٹوٹ ٹوٹ کر گرنے لگتے ہیں، نہ زبان کی باگ ہاتھ میں رہتی ہے اور نہ

قلم کی رکاب پاؤں میں، یک رُخا آدمی بھلا کہاں تک ہمہ جہت شخصیت کو اپنے فکر و خیال کے دائرے میں قابُو رکھ سکتا ہے!

دراصل فاضلِ بریلویؒ کی شخصیت ایک ہشت پہلو ہیرے جیسی ہے جس طرح اُسے سورج کی روشنی کے رُخ پر رکھا جائے تو ہر کونے سے ایک نیا رنگ نظر پڑتا ہے، کسی سمت سے سُنہری، کسی جانب سے نیلا، کسی طرف سے سُرخ، کسی پہلو سے سبز، کسی زاویے سے نارنجی اور کسی گوشے سے آسمانی رنگ جھلکتا ہے۔

اعلٰحضرتؒ کو بھی آفتابِ علم کی روشنی میں دیکھا جائے تو ان کی شخصیت کے کئی رنگ اپنے اندر دل و نگاہ کی جاذبیت کا سامان لئے ہُوئے ہیں، اُن کے بارے میں سُن کر یا پڑھ کر زبان پر بے اختیار آجاتا ہے ؎

کوئی تصویر نہ اُبھری تیری تصویر کے بعد
ذہن خالی ہی رہا کاسۂ سائل کی طرح

تفسیر، ترجمہ، حدیث، فقہ، کلام، بیان، معانی، فلسفہ، منطق، مناظرہ، عقائد، ان میں سے ایک ایک شعبۂ علم انسان سے پُوری زندگی صرف کرنے کا مطالبہ کرتا ہے۔ لیکن فاضل بریلویؒ کے ہاں تو ان روایتی اور قدیم علوم کے ساتھ ساتھ عقلی اور جدید علوم کا ذخیرہ نظر آتا ہے۔ اگر کوئی آدمی ایک بار اس ذخیرے میں قدم رکھ لے تو وہ زندگی بھر واپسی کا راستہ بھُول جائے۔

علم الکیمیا سے علم الادویہ اور شماریات سے ارضیات اور جغرافیہ سے معاشیات تک ایک طویل اور وسیع سلسلہ ہے جس کی ایک ایک کڑی فاضلِ بریلویؒ نے اپنے ہاتھ سے سُلجھائی اور سنواری ہے۔

ہم نے آج کے دَور میں ایسے کئی نامور اہلِ دانش و صاحبِ علم دیکھے ہیں جنھوں نے چشمۂ علم و دانش سے بمشکل دو گھونٹ بھرے اور انھیں اُبکائیاں

شروع ہوگئیں، جی متلانے لگا اور پیٹ میں قراقر اُٹھنے لگے۔ کوئی تجدد کے خبط میں مبتلا ہوگیا، کسی نے اعتزال کی راہ اپنا لی، کچھ نے دین کی نئے سرے سے تہذیب و تشکیل کا فریضہ سنبھال لیا، بعض اسلاف کے پُورے اثاثۂ فکر کو تیلی دکھانے پر تُل گئے، کئی ایسے بھی ہُوئے کہ ہلدی کی گانٹھ لے کر پنسار بن بیٹھے، اور وہ بھی ہیں جنھیں اپنی مٹی پر چلنے کا سلیقہ نہ آیا اور سنگِ مرمر پہ چلنے لگے جس کے نتیجے میں قدم قدم پر پھسلنے لگے۔ مگر فاضلِ بریلوی پُورا میخانۂ علم و دانش نوشِ جان کر کے لمحے بھر کو نہیں لڑکھڑائے اور اپنی جڑوں پر جمے رہے ؎

دُنیا نے اپنے آپ کو بدلا گھڑی گھڑی
اِک اہلِ عشق ہیں کہ جہاں تھے وہیں رہے

علم کے دعویدار تو بے شمار نظر آتے ہیں مگر ناموسِ علم کے پاسدار بہت کم ہوتے ہیں، علم نگلنے والے لوگوں کی فہرست تو بہت طویل ہے مگر اسے ہضم کرنے والے بہت قلیل ہیں، اپنے علم کو بزمِ ناز کی زینت بنانے والے کسی دور میں کم نہیں رہے مگر اپنے سرمایۂ علم کو بارگاہِ نیاز میں لُٹانے والے ڈھونڈے سے خال خال ملتے ہیں، محض علم چاٹنا اور بات ہے لیکن فیضِ عشق بانٹنا چیزے دیگر! مکتب و مدرسہ کی راہ کس نے نہیں دیکھی، مزہ تو جب ہے کہ آدمی گمراہ نہ ہو، کتاب کون نہیں پڑھ سکتا لطف تو تب ہے کہ صاحبِ کتاب سے نسبت جُڑی رہے۔ قلم و قرطاس سے کون واقف نہیں، بات تو تب بنے کہ جان و دل حرف ناشناس معلّم اور قرطاس ناآشنا مربّی کے لئے وقف رہیں۔ بابا ذہین شاہ تاجیؒ فرمایا کرتے تھے، ؎

شیخ میخانے میں آنے کو مسلماں آیا
کاش میخانے سے نکلے تو مسلماں نکلے

ہمیں اعلحضرت فاضلِ بریلویؒ کے ہاں یہ بات نظر آتی ہے کہ وہ علم کے ساتھ ساتھ

ناموسِ علم کا پاس رکھنے والے تھے، ریاست نان پارہ کے والی کے ہاں ہونے والی خصوصی تقریب پر مدحیہ قصیدہ لکھنے کے بجائے اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت لکھ کر بھیج دیتے ہیں، اور نعت بھی وہ جس میں تغزّل اپنے عروج پر ہے اور تقدّس بھی نقطۂ کمال پر ؎

وہ کمالِ حُسنِ حضور ہے کہ گمانِ نقص جہاں نہیں
یہی پھُول خار سے دُور ہے یہی شمع ہے کہ دھُواں نہیں

پھر فرماتے ہیں: ؎

کروں تیرے نام پہ جاں فدا، نہ بس ایک جاں دو جہاں فدا
دو جہاں سے بھی نہیں جی بھرا، کروں کیا کروڑ جہاں نہیں

وہ جو عرب کے مایۂ ناز شاعر فرزدق نے کہا تھا کہ شاعری میں بعض مقامات ایسے آجاتے ہیں کہ سجدہ واجب ہوجاتا ہے تو فاضلِ بریلویؒ کا یہ شعر اُسی پائے کا ہے جہاں ذوق اور وجدان کی پیشانی بے اختیار جُھک جاتی ہے، اور اس نعت کا مقطع تو غضب کا ہے جس میں اہلِ زر کی دولت پر طنز اور سیّد الکونینؐ کی دریوزہ گری پر فخر کا اظہار ہے اور ساتھ ہی ساتھ مسندِ علم و فقر کا وقار ہے ؎

کروں مدحِ اہلِ دُوَل رضاؔ پڑے اس بلا میں مری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا، میرا دین پارۂ ناں نہیں

آج کل "عبقری" اور "نابغہ" کا لفظ بہت سستا ہوگیا ہے اور ہر تیسرا چوتھا پڑھا لکھا آدمی خود کو عبقری اور نابغہ کہلوانے پر مُصر ہے، اور علّامہ ہونا تو ہر ایک کے بائیں ہاتھ کا کھیل بن گیا ہے، جس کی بازار میں ذراسی "بِکری" ہو وہ عبقری بن جاتا ہے اور جس کو معمولی سی "قوّتِ ناطقہ" مل جائے وہ نابغہ ہوجاتا ہے حالانکہ سر مُنڈوانے سے کوئی قلندر اور یُونان میں پیدا ہونے سے سکندر نہیں بن جاتا۔ آدابِ

قلندری سے ہر شخص آگاہ نہیں ہو سکتا اور شانِ سکندری کا ہر فرد حامل نہیں ہوتا، اس لئے عبقری اور نابغہ صدی بھر میں دو چار ہی ہوتے ہیں اگر ان کی قطاریں لگنی شروع ہو جائیں تو ہر ڈھیلے کے نیچے سے ارسطو اور افلاطون ہی برآمد ہوں گے۔ صورتِ حال اگر اس طرح ہو تو کسان کھیتوں میں گاجر مُولی لگانے کے بجائے سقراط اور بقراط اگانا شروع کر دیں۔

بلاشبہ فاضلِ بریلویؒ عبقریٔ عصر اور نابغۂ روزگار شخصیت تھے جن کی علمی تخلیقات سے استفادہ کرنے کے لئے بذاتِ خود تخلیقی ذہن درکار ہے، روایتی ذہن تو چار قدم چل کر ہانپ جاتا ہے۔ میری بات پر اعتبار نہ آئے تو ان کی تصنیفات کی فہرست ملاحظہ کر لیجئے، متن تو دُور کی بات ہے فقط کتابوں کے نام سمجھنے کے لئے المنجد جیسی کتبِ لُغت کی ہمہ وقت ضرورت لاحق رہتی ہے، مثلاً علمِ لوگارثم، علمِ تکسیر، علمِ زیجات، علمِ ارثماطیقی، علمِ توقیت اور ٹرگنومیٹری پر اُن کی تخلیقات پڑھنے اور سمجھنے والے لوگ اس خطے میں کتنے ہوں گے؟ شاید بڑی آسانی کے ساتھ انگلیوں پر گِنے جا سکیں۔

فاضلِ بریلویؒ کی کوئی چھوٹی یا بڑی تصنیف ایسی نہیں ہے جس کا نام تاریخی نہ ہو، یہ بھی تو تخلیقی ذہن کا کرشمہ ہے۔ حیرت ہے کہ جنھیں اپنی تاریخِ پیدائش تک یاد نہیں وہ اعلحضرتؒ کے منہ لگتے ہیں۔ انسائیکلوپیڈیا کا لفظ ہم سب نے سُنا پڑھا ہے جس کا معنیٰ ہے "جامع العلوم"، وہ کتاب یا تالیف انسائیکلوپیڈیا کہلاتی ہے جس میں متعدد، متنوع اور متفرق علوم جمع کر دئے گئے ہوں۔ مگر سچی بات یہ ہے کہ چلتی پھرتی اور سانس لیتی انسائیکلوپیڈیا تو فاضل بریلویؒ کی شخصیت ہے جنھیں پچپن ۵۵ اقسامِ علم پر قسامِ ازل نے دسترس عطا کر دی تھی۔ ہزاروں صفحات پر مشتمل فتاویٰ رضویہ کی بارہ ۱۲ ضخیم مجلدات ہمارے اس دعوے کا

ناقابلِ تردید ثبوت ہے۔

اگر کسی انجان آدمی کے سامنے فاضلِ بریلویؒ کی جملہ تصانیف رکھ دی جائیں جن سے ایک کوٹھا بھر جاتا ہے تو وہ یقیناً یہی سمجھے گا کہ حکومت کی طرف سے کروڑوں روپے کی گرانٹ پر چلنے والے کسی ادارے نے باقاعدہ بیسیوں اہلِ قلم کا بورڈ بٹھا رکھا ہے جن کے ذمّے شب و روز تحقیق و تصنیف کا کام ہے اور وہ قلمکار غمِ جاناں اور غمِ دوراں سے بے نیاز ہو کر لکھنے کا کام کرتے ہیں، ہر طرح کی فراغت اور سہولت نے اُن سے اتنی کتابیں لکھوائی ہیں، لیکن اُسی آدمی کو اگر یہ بتا دیا جائے کہ یہ کام کسی ادارے، کسی اکیڈمی، کسی بورڈ اور کسی ریسرچ انسٹی ٹیوٹ نے نہیں کیا بلکہ کتابوں کا یہ انبار ایک ہی شخصیت کا تخلیقی شاہکار ہے تو اُسے یہ ماننے کو ذہن بنانے کے لئے کئی ہفتے کا عرصہ درکار ہے، تب جا کر وہ سمجھ پائے گا۔

مت سہل ہمیں جانو، پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتا ہے

اس سلسلے میں ایک اور بات بھی لائقِ توجہ ہے کہ لکھنے پڑھنے کا اتنا بھاری بھرکم کام آدمی کے دماغ کا رس نچوڑ لیتا ہے، ہر وقت اُس کی رگیں پھُولی رہتی ہیں، جبین شکن آلُود اور احساس کی دنیا گرد آلُود ہو جاتی ہے، آدمی کرمِ کتابی بن کر رہ جاتا ہے، خشک موضوعات پر لکھتے لکھتے طبیعت پر خُشکی کا لیپ چڑھ جاتا ہے، ذوق و کیف کا عالم اس کے لئے اجنبی بن جاتا ہے، ایسے آدمی کے بارے میں یہ گمان بلکہ یقین ہو جاتا ہے کہ کوئی اس سے ذرا قریب ہو کر گزرا تو شاید وہ چھل جائے کیونکہ یہ تجربہ ہے کہ کتابی علم چنگے بھلے اور بانکے سجیلے آدمی کو جلا بھُنا اور کھُردرا بنا دیتا ہے۔ علم کی ہیبت اور خشونت اس درجہ بڑھ جاتی ہے کہ لفظ بیچارے کانپتے اور حرف ہانپتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں، لیکن فاضل بریلویؒ کو مبداء فیاض نے علم و فن اگر

منوں کے حساب سے دیا تو ذوقِ عشق بحمد اللہ ٹنوں کی مقدار میں بخشا، ذوقِ غلامیِ رسولؐ کا اور عشقِ ذاتِ مصطفٰےؐ کا۔ جب وہ مسندِ افتاء پر ہوں تو بالغ نظر مفتی، حدیث پڑھا رہے ہوں تو عظیم محدّث، فقہی مسائل پر بات کر رہے ہوں تو فقیہِ اعظم، اور فنِ میراث زیرِ غور ہو تو ماہرِ علم المیراث دکھائی دیتے ہیں، اُن کی قامت پر ہر قبا خُوب سجتی ہے مگر جب وہ کُوچۂ نبیؐ میں ہوں تو اُن کی شانِ گدائی پر دارا و سکندر کو رشک آنے لگتا ہے، جب وہ وقفِ ذکرِ رسولؐ ہوتے ہیں تو وجدان درود پڑھنے لگتا ہے، جب اُن کے ہاتھ میں نعت کا کشکول ہوتا ہے تو فرشتے بھیک مانگنے کو قطار اندر قطار زمین پر اُترتے دکھائی دیتے ہیں، جب اُن کے لبوں پر نامِ مصطفٰےؐ آتا ہے تو شہد کی بارش ہونے لگتی ہے، جب اُن کا موضوعِ سخن حضورؐ کا چشمۂ فیض ہوتا ہے تو ساغرِ دل چھلک چھلک جاتا ہے، جب یادِ حبیبؐ کا چاند اُن کے دل کے آنگن میں اُترتا ہے تو شبِ ہجراں چمک چمک جاتی ہے، اور جب وہ اپنی شاعری میں حُسنِ سرکارؐ کا مضمون باندھتے ہیں تو غنچۂ فن چٹک چٹک جاتا ہے۔ ذرا آپ بھی ملاحظہ فرمائیں اس مرتبے کا شعر آپ کو کہاں ملے گا؟ ؎

عرش سے مژدۂ بلقیسِ شفاعت لایا
طائرِ سدرہ نشیں مُرغِ سُلیمانِ عرب

فاضلِ بریلویؒ کو علم نے تنک چڑھا اور زُہد نے سرپھرا نہیں بنایا کہ گردن اکڑی رہے اور چہرہ سُکڑا رہے، بلکہ اُن کا لہجہ انکسار کا غمّاز اور سوز کا ترجمان ہے، کہتے ہیں: ؎

ایک میں کیا مِرے عصیاں کی حقیقت کتنی
مُجھ سے سَو لاکھ کو کافی ہے اشارا تیرا

مُفت پالا تھا کبھی کام کی عادت نہ پڑی
اب عمل پُوچھتے ہیں ہائے نکمّا تیرا

تیرے ٹکڑوں سے پلے، غیر کی ٹھوکر پہ نہ ڈال
جِھڑکیاں کھائیں کہاں چھوڑ کے صدقہ تیرا

فتاوٰی پر کام کرتے کرتے جب اُن کے قلم سے یہ اشعار نکلتے ہیں تو وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے ؎

اُن کی مہک نے دل کے غنچے کِھلا دیئے ہیں
جس راہ چل دیئے ہیں کُوچے بسا دیئے ہیں

اِک دل ہمارا کیا ہے، آزار اُس کا کتنا
تم نے تو چلتے پھرتے مُردے جِلا دیئے ہیں

اُن کے نثار کوئی کیسے ہی رنج میں ہو
جب یاد آ گئے ہیں سب غم بُھلا دیئے ہیں

اِس نعت کے سامنے تغزّل کی اباحت شرمانے لگتی ہے، یہ اشعار ایک بار پڑھیئے اور عمر بھر سر دُھنیئے۔ فاضل بریلویؒ کی یہ نعت تو نغمۂ زبور ہے۔ چند شعر ملاحظہ ہوں: ؎

حُسن کھاتا ہے جس کے نمک کی قسم
وہ ملیحِ دل آرا ہمارا نبیؐ

کیا خبر کتنے تارے کِھلے چُھپ گئے
پر نہ ڈوبے نہ ڈوبا ہمارا نبیؐ

جس کی دو بُوند ہیں کوثر و سلسبیل
ہے وہ رحمت کا دریا ہمارا نبیؐ

جس کے تلووں کا دھوون ہے آبِ حیات
ہے وہ جانِ مسیحا ہمارا نبیؐ

میرا ایمان اور عقیدہ ہے کہ آج کے گُتھم گُتھا اور چھینا جھپٹ قسم کے دَور میں عشقِ رسولؐ کی سوغات بانٹنے کی ضرورت ہے، آج امریکہ اور یورپ ہماری اس متاع کو لُوٹنے کی فکر میں ہے، کیوں کہ اُسے معلوم ہے کہ اُمّتِ مُسلمہ جب کبھی ڈوب ڈوب کر اُبھرے گی، جب کبھی ٹوٹ ٹوٹ کر جُڑے گی، گِر گِر کر اُٹھے گی اور مر مر کر جئے گی تو عشقِ رسولؐ کے سہارے ہی اُبھرے گی، ذاتِ نبیؐ پر جُڑے گی، نظامِ مصطفٰےؐ پر اُٹھے گی اور یادِ حبیبؐ سے جئے گی۔

دولتِ درد اور متاعِ عشق کوئی معمولی چیز نہیں کہ جس کی حفاظت سے ہم غافل ہو جائیں، اس سے محرومی کا تلخ ذائقہ ہم یورپ سے پُوچھیں، جس کے پاس سب کچھ ہے مگر اپنا آپ نہیں بچا، دل رہ گیا مگر دھڑکن نام کو نہیں،

آنکھیں سلامت ہیں مگر نُور سے خالی، اور وجود باقی ہے مگر گرمیٔ احساس سے محروم۔ آیئے ہم اپنی اس کمٹمنٹ کو حقیقت بنا دیں ؎

اِک عشقِ مُصطفےٰؐ ہے اگر ہو سکے نصیب
ورنہ دھرا ہی کیا ہے جہانِ خراب میں

کتبہ محمد شریف گل